स्वदेशी देश का प्राण. उत्तर प्रदेश : राष्ट्र
जागरण अभियान.

3549
हिन्दुत्व जीवन दृष्टि जीवन पद्धति. उत्तर प्रदेश

धर्मवीरजी से समर्पित

1918
463

ॐ

کلامِ محروم

حصّۂ اوّل

یعنی

منشی تلوک چند۔ محروم

کی

اخلاقی۔ ادبی اور نیچرل نظموں کا

مجموعہ

۱۹۱۵

باہتمام لالہ بھوانی مینیجر آریہ سٹیم پریس لاہور
میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا

بار اوّل   قیمت ۱۲/ ار   تعداد جلد ۱۰۰۰

نذر

بحضرتِ والاجناب فضیلت مآب مسٹر جے۔ اے۔ رچی
ایم۔ اے۔ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم شمال مغربی سرحدی صوبہ

دور دورہ علم کا سرحد میں ہے
ہوگیا دورِ جہالت برطرف
ہوگئی شگفتہ مثلِ شاخ گل
آج کل علم و عمل کی ہر صنف
حضرتِ جے۔ اے۔ رچی کے فیض سے
گوہرِ تعلیم ہے ممنونِ کف
آپ کی سرکار والا میں بہم
صاحبانِ علم و فن ہیں صف بہ صف
بندۂ محروم بھی لایا ہے نذر
گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ڈیرہ اسمعیلخاں

گزارہندہ نیاز منش
تلوک چند۔ محروم

فہرست مضامین

دیباچہ

از

(جناب میر کرامت اللہ صاحب تیر امرتسری)

اگرچہ اس سے پہلے مشرقی تصانیف میں دیباچے یا خطبے کتابوں کے شروع میں اور تقریظیں یا خاتمے ان کے اخیر پر دوسروں سے لکھوانے کا عام دستور تھا۔ مگر ان میں گھٹل اور مغلق الفاظ کی بھرتی کچھ اس قسم کی لفاظی۔ استعارہ بازی اور زنجیر تشبیہات سے کی جاتی کہ پڑھنے والے کے لئے اصل حرف مطلب کا دریافت کرنا کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کم نہوتا۔

آج کل مغربی زبانوں کے قلم کے دھنی جب کوئی تصنیف کرتے ہیں۔ تو اس کا انٹروڈکشن دوسروں سے لکھواتے ہیں۔ اور وہ لکھنے والے کچھ اس قسم کی فسوں کاری سے کام لیتے ہیں۔ کہ پڑھنے والونکو دوہرا لطف آجاتا ہے۔ چونکہ اس وقت مغربی علوم وفنون کی گھٹائیں ساون بھادوں کی طرح ہماری روکھی سوکھی کھیتیاں سرسبز کر رہی ہیں۔ اور فرمانرواؤں کی باتیں نہ صرف ہمارے عام طریق معاشرت پر قبضہ پا رہی ہیں۔ بلکہ بات بات میں اُدھر کی تقلید مجبور کرتی ہے جو کچھ ہو۔ اُسی انداز پر ہو۔ اس لئے موجودہ زمانہ کے چند زندہ مصنفوں نے اپنے ہاں۔ کے علمی ذخیرہ میں سے یہ

یہی سہی کسر دُور کرنے کی غرض سے اِس رنگ کو بھی نہیں چھوڑا۔
خدا خوش رکھے لالہ تلوک چند صاحب محروم کو جنہوں نے
اپنے ملفوظات کے اوراقِ پریشاں کی شیرازہ بندی خود کی اور
دیباچہ کے لئے مجھے کہا۔ وہی مثل "دُور کے ڈھول سہاونے" ؎
طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق۔   تحسیں کنند و او خجل از زشت پائے خویش
انکار کیا۔ مگر کیا کہوں۔ انکار کرتے بھی نہ بنی۔ اخیر یہی سُوجھی۔ گو خاک
ناپاک کی کچھ حقیقت نہیں   بڑے دامنوں سے لگ کر بلا تیں ہو جاتی ہے
ہونہ ہو رنگ جم جائے۔ موقعہ ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ اور جو کچھ بھی
ہو۔ اپنے خیال کے مطابق کاغذ قلم و دوات کی تثلیث مقدس
کا پتلا بنا کے رکھدو۔ پڑھنے والے خود سمجھ جائینگے۔ کہ فونوگراف
کے اِس رکارڈ میں وقت کی راگنی کا رنگ کیا کچھ مزا دے رہا ہے۔

جس شخص کو اُردو علم ادب کے حاصل کرنے کا تھوڑا بہت شوق بھی دامنگیر ہو۔ اُس کے لئے ضرور ہے۔ کہ کیا اپنی معلومات بڑھانے کی غرض سے اور کیا قدیمی مصنفوں کی اُستادانہ یا دوستانہ صحبتوں سے مستفیض ہونے کی خواہش سے پروفیسر **آزاد** کا تذکرہ آبِ حیات مطالعہ کرے کیونکہ جس نئے انداز سے اس سب سے پہلے شمس العلماء نے اردو کو ایک خاص زبان بنانے والے چند ایک بزرگوں کے حالات لکھے ہیں ان کے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ارسطوئے سخن نے پیغمبر سائنس (مسٹر ایڈیسن) کی طرح حروف کے فونوگراف اور خیالات کے بائی سکوپ کو کچھ اس اصول سے باہم ترکیب دے کر نیا سنوگراف تیار کیا ہے۔ جن سے ہمارے نغمہ سنجان سخن کی زندگی کی بولتی چالتی

اور چلتی پھرتی تصویریں سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔ آپ کے اِس تذکرہ کو عام قبولیت نے اپنے مذاق کی پوری چیز سمجھ کر آنکھوں پر رکھا۔ اور تعلیم یافتہ جماعت نے خاص دلچسپی کا سامان دیکھ کے ایسی وابستگی ظاہر کی۔ کہ باوجودیکہ ہزاروں کی تعداد میں چھپی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں دوسری اور پھر دوسری سے تیسری ایڈیشن کی نوبت پہنچی۔ آزاد عالی نژاد کی معجز نگاری کو زمانہ مان گیا۔ اور اہلِ قلم اُس کی سحر کاری کی داد دینے لگے۔ زمانہ کے مختلف مدارج کے لحاظ سے عالی جاہ آزاد نے پانچ دور قرار دئے

(۱) شمس ولی اللہ اور اِس کے معاصر۔ (جس کو ہم دور شمسی کہیں گے)
(۲) شاہ حاتم اور ان کے معاصر۔ (جس کو ہم دور حاتم کہیں گے)
(۳) میر و سودا اور ان کے معاصر۔ (جس کو آئندہ دور مرصع کہا جائیگا)
(۴) مصحفی اور ان کے معاصر۔ (جس کا دور رنگین آئندہ نام رکھینگے)

اللہ اللہ! اس سمے کے کیا ہی گہنے تھے۔ زبان کے معاملہ میں بھارت کے سپوت ہمہ تن ایک زبان تھے۔ اُردو کے دلدادہ عام اِس سے کہ دہلی کے سکول سے تعلق رکھتے تھے۔ یا لکھنؤ کے زبان کے پورے درد مند تھے۔ اور فخریہ اپنی اُردو دانی کی دھن میں کہا کرتے "زبان ہے توجہان ہے۔" چنانچہ آئینہ سکندری کے مصنف بابو اوماشنکر صاحب عامل دہلوی ڈاکٹر آف کامرس فرماتے ہیں۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے جب مرزا داغ حیدرآباد میں آفتاب ہو کر چکے اور ان کی وہ غزل جس کی زمین "جہاں کی ہے۔ یہاں کی ہے"۔ دہلی پہنچی۔ تو نقادانِ سخن نے خاص داد دی۔ اور پھر جب کچھ عرصہ

کے بعد وہ وطن آئے۔ بزرگوں سے شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی ٹھہرائی۔ چنانچہ دلی کے مایۂ ناز فلک سخن کے ساتوں ستارے[1] حسب معمول کالج کے ایک کمرہ میں جمع تھے۔ باتوں باتوں میں حیدر آبادی غزل کا بھی ذکر آگیا مرزا سب کے کہنے پر اپنی طرز خاص میں غزل پڑھنے لگے۔ جب مقطع پر آئے۔ تو کہا اب ایک شعر باقی ہے۔ سب نے کہا "فرمائیے نا جھجک کاہے کی۔ پڑھئے"۔ میرے شیر نے آخر پڑھا:-

"اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں۔ داغؔ
ہندوستان میں۔ دھوم۔ ہماری زبان کی ہے"

ماسٹر پیارے لال صاحب معاً بول اٹھے "ہماری زبان کی ہے"۔ پھر تو سب نے ایک ہی زبان ہو کر کہا۔ "تمہاری زبان کی ہے"۔

کسے خبر تھی۔ کہ ہماری قومی بدقسمتی کا اثر زبان کے بارے میں بھی رنگ لائے گا۔ اور وہی اُردو جو بادشاہی زبان ہے۔ ہندوستان کی لنگوا فرنکوا ہے (اس سرے سے اُس سرے تک برابر بولی اور سمجھی جاتی ہے) باوجود اپنی ادبی خوبیوں عام دلچسپیوں اور خاص محاسن کے کشتنی سوختنی گردن زدنی قرار پائے گی۔ اور وہی زبان جو زیبائی و رعنائی میں انتخاب فصاحت و بلاغت میں لاجواب۔ سلاست و متانت میں بے مثال اور

---

[1] دہلی کے ان مشہور رنگوں میں چار شمس العلما اور تین دوسرے بزرگ تھے۔ شمس العلما خان بہادر ضیاء الدین خان۔ خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب۔ مولوی حافظ نذیر احمد صاحب۔ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی۔ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال صاحب انسپکٹر مدارس۔ بابو گرچند صاحب ایم اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لالہ جیا رام صاحب ایم اے۔

لطافت و ذکاوت میں سراپا کمال ہے۔ ایک دن معرض بحث میں آ کر نفاق کی خلیج کو اور بھی وسیع کر دے گی

بعض کہتے ہیں یہ سارا قصور انہیں پروفیسر آزاد کا ہے۔ نہ وہ اردو کی تاریخ ایک خاص رنگ میں لکھتے نہ پڑھنے والے ایک خاص قسم کی اکبری یا شاہجہانی بھول بھلیاں میں گھرتے۔ اگر وہ ہر ایک دور کے ایک آدھ ہندو کا بھی ذکر کر دیتے۔ تو معترضوں کو صاف ماننا پڑتا کہ زبان کے بنانے میں ہندو مسلمانوں کی یک جائی کوشش تھی۔ دوسرے کہتے ہیں۔ یہ اعتراض فضول ہے۔ مصنف اپنے دل کا بادشاہ ہوتا ہے بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ بادشہ کا سکہ تو اُس کے اپنے وقت ہی میں چلتا ہے۔ اور یہ ابدالآباد تک سندالوقت مانے جاتے ہیں۔ آزاد فرخ نہاد نے وہ زمانہ دیکھا تھا۔ جبکہ ہندو مسلمان کے درمیان ہوا بگڑنا تو کیا دونو کے بیچ میں سے ہو کے گذرنا مشکل تھا۔ اس نے زبان کی جو خدمت کی ہے۔ ایک نئے رنگ اور نئے انداز کی تھی۔ ورنہ جہاں اور باتیں اس وضاحت کے ساتھ لکھی تھیں۔ اُن کے نام گنانا کچھ مشکل نہ تھا۔ اُن کے ہندو شاگرد مسلمانوں کی نسبت کہیں زیادہ تھے۔ اور وہ فخریہ کہا کرتے تھے۔ ہندو ہیں ایک آنکھ مسلمان دوسری۔ اچھا اگر مان بھی لیا جائے۔ ان سے یہ بات رہ گئی ہے۔ اول تو

"خطائے بزرگان گرفتن خطا ست"

دوسرے ان کا ہی کوئی ایک تذکرہ تھوڑا ہے دوسروں کی تصانیف سے دل ٹھنڈا کرو۔ تھوڑی تلاش سے پتہ چل جاتا ہے آزاد کے دور شمسی میں شاہ آبرو کے شاگردوں میں دیا کشن

صبا[۵۱] موجود ہیں۔ حاتمی دور میں فارغ[۵۲] صاحب دیوان ہیں۔ سودا کے شاگردوں میں نثار[۵۳] اور راقم[۵۴] دور مرصع کے ہیرے ہیں۔ ذکا۔[۵۵] عاصی۔ طرب تفتہ[۵۶]۔ شعلہ[۵۷]۔ آشوب۔ ایسے باکمال زندہ دل۔ پختہ کلام دور ظفر کے وہ

۵۱۔ دیاکشن صبا اپنے عہد کے بے نظیر اساتذہ میں سے تھے۔ تلاش معنی میں فکر رسا رکھتے تھے۔ اور بیان حسن میں دل درد آشنا رکھتے تھے۔

۵۲۔ لالہ مکند لال فارغ چونکہ سودا کے ہم تلمذ تھے۔ ان کے کلام میں زیادہ شاہ حاتم کا رنگ تھا

۵۳۔ نثار۔ منشی سدا سکھ خلف ستیل پرشاد دہلوی کے فارسی اور اردو میں دو دیوان ہیں۔ اور ایک مثنوی بھی یادگار ہے۔ لالہ دیبی پرشاد دہلوی مولف تذکرہ شعرائے ہنود نے ان کے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

ہمارا بھی دل جب ہمارا نہیں ہے ۔۔۔ تو شکوہ ہمیں کچھ تمہارا نہیں ہے
لقب جس کا دل ہے وہ ہے گھر خدا کا ۔۔۔ یہ کعبہ بتوں کا سنوارا نہیں ہے
ہجر میں عشق کی سوزش کا بیاں کیا کیجے ۔۔۔ شرح و تفصیل میں قاصر ہے زباں کیا کیجے

(قاصر ہے کی جگہ جلتی ہے ہوتا تو مزا ہوتا) محروم

۵۴۔ لالہ بندرابن راقم صاحب بلند فکر تھے۔ صفائے فکر محاورہ۔ شوخیٔ مضمون۔ اور طرز ادا کی نزاکت بیان کی شیرینی خیالات کی دردمندی۔ اکثر فارسی ترکیبوں اور فارسی انداز میں بے مثال تھے۔ میر تقی صاحب نے لکھا ہے کہ عالم جوانی میں ان کا چراغ ہستی گل ہو گیا۔ تین مختلف تذکرہ نویسوں نے حسب ذیل ان کے شعر لکھے ہیں۔

نکات الشعرائے میر تقی ۔۔۔ زہے وہ عمل کہ ہو سبب نجات یاراں ۔۔۔ مری بد شرابیوں کی کریں توبہ میگساراں
تذکرہ میر حسن ۔۔۔ نہ ترے عشق میں بلبل ہی کو نالاں دیکھا ۔۔۔ چاک ہر گل کا گلستاں میں گریباں دیکھا
تذکرہ قدرت اللہ خاں ۔۔۔ تا اب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو ۔۔۔ یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو

۵۵۔ منشی خوب چند ذکا۔ لالہ گھنشام رائے عاصی۔ دھومی لال صاحب طرب تینوں شاہ نصیر کے شاگردوں میں صاحب دیوان تھے۔

۵۶۔ منشی ہرگوپال تفتہ۔ وہی مرزا تفتہ ہیں جو مرزا غالب کے نامیدہ شاگرد ہونے کے علاوہ اپنی تضمین اشعار گلستان کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔

۵۷۔ شعلہ۔ بنواری لال۔ پہلے بالمکند بےصبر پھر مرزا تفتہ کی ہم صحبتی سے مستفید ہوتے تھے دونوں کے بعد پھر مرزا غالب سے شرف اصلاح سے مشرف ہوئے۔ کلیات شعلہ جس میں جملہ اصناف سخن کے پسندیدہ نمونے موجود ہیں ۱۸۸۶ء میں طبع ہوا تھا۔ مثنوی ترنج چپ یا بزم بندرابن مضمون کی تازگی اور طرز بیان کی جدت کیلئے خاص طور پر مشہور ہے جس میں جدید طرز کے بھی قابل تعریف نمونے ہیں۔ علی گڈھی نوجوان اکثر آپ کا یہ شعر پڑھا کرتے ہیں ؎

جبہ سائی نقش تمنا تمہارے کوچے میں ۔۔۔ نشان سجدہ سر پاؤں سے مٹا کے چلے

صاحب تصانیف ہیں جن کے ملفوظات سے شمس العلما مولانا سید احمد
صاحب کی لغات آصفیہ میں محاورات کی اسناد سے حاتم و آبرو۔ میر و میرزا
ناسخ و آتش۔ غالب و ذوق وغیرہ کی طرح برابر استفادہ کیا ہے۔ فلالوجسٹ
(ماہران علم اللسان) جو نیاریوں کی طرح خاک چھان چھان کر سونا نکالتے ہیں
صاف کہ رہے ہیں۔ دونو ایک۔ دونو کی اصل ایک۔ دونو کے باپ دادا ایک
نہ اردو کوئی مسلمانوں کی مادری زبان ہے۔ نہ ناگری کوئی ہندوؤں کی مڈٹنگ
ناحق کی کشت مات ٹھہرا رکھی ہے۔ حالانکہ بازی چوہری ہے۔ اگر یہ لڑکی اندھی
کانی۔ لنگڑی منجی ہے۔ تو کیا اتنی سی بات کے لئے والدین کو چاہیئے کہ سانپ
یا مچھلی کی طرح اُسے کچا چبا جائیں۔ اگر وہ اظہار مقاصد صلاحیت استیعاب
اور ارتباط میں اجتماعی طور پر غیر مانوس ہو تو اس کے لئے فی سبیل اللہی بغض
رکھنا کونسی انسانیت ہے۔ مسلمانوں کے لئے حق الجار کا تحفظ لازم اور ہندوؤں
کے لئے "وید ہمسائے ماں جائے" کی مثل پر عمل کرنا ضروری۔ مفت کے جھگڑے
پر مٹی ڈالو۔ جس طرح مناسب سمجھو۔ عام فہم سلیس اور خوش آیند زبان کی مدد
سے سائنس کی خاص ترقی کرو۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ اُدھر کی تو تو میں میں میں رہے
سہے۔ علوم و فنون کو رو بیٹھو۔ اچھا بھئی۔ ان کا دعوٰی معہ خرچہ خارج۔ ڈگری
تمہارے حق میں۔ پھر اس سے بنا کیا۔ مقدمہ بازی سے دونو گھر لٹے۔ آخر
انصاف بھی تو کچھ شرط ہے۔ تمہیں کہو جس طرح ایک اردو سے کام چلتا
ہے۔ ہندوستان کی ۱۴۷ زبانوں میں کسی اَور سے بھی ممکن ہے۔ اور مدراسی
گجراتی۔ بنگالی۔ پنجابی۔ کشمیری۔ کوہستانی اس سے برابر مستفیض ہو سکتے ہیں؟
اگر ہے تو دل ماشاد چشم ماروشن۔ اور جو نہیں تو جھگڑا ہی کیا۔
اس جملہ معترضہ کے بعد مجھے یہ کہنا ہے۔ آخر جو یک بیک ہوا بدلی۔ رُخ

پلٹا۔ دورِ ظفر کی صف اُلٹی۔ دیر تک آپا دھاپی نے کسی کے پاؤں نہ جمنے دیئے باوجودیکہ آنریبل کپتنی بہادر کے زمانہ میں وہ کیفیت ہوئی جس کے دیکھنے والی ہی اس وقت ہزاروں نہیں تو سینکڑوں آنکھیں ضرور ہونگی۔ اس انقلاب عظیم سے دلی۔ اور لکھنؤ کی بجائے لاہور علم وفن کا مرکز ٹھیرا۔ دربار لاہور کی طرف سے مدرسے تو جاری ہو ہی چکے تھے۔ علوم وفنون کی ترقی کے لئے بیت العلوم کی ٹھیری۔ خدا جانے زندہ دلان پنجاب علم وفضل کے سرچشمے سے کب تک محروم رہتے۔ اگر ڈاکٹر لیٹنر جیسے پورے ایک کوڑی زبانوں کے چلتے پرزے ادھر توجہ نہ دیتے۔ آپ نے اساتذہ کرام میں سے وہ چنیکے نکالے جن کے سامنے آج کل کے شمس العلما طفل مکتب تھے اور جن کی زیارت کے لئے آنریبل سر سید جیسے اکثر علی گڈھ سے چل کے آتے۔ خدا بخشے مولانا فیض الحسن[1] صاحب سہارن پوری کو جن کی عنائت سے اس وقت بہت سے مولوی فاضل اور ایم۔ او۔ ایل نظر آتے ہیں۔ ہاں! انہیں ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ پنجاب کی سرپرستی میں انجمن پنجاب نکالی۔ جس کے اہتمام میں اِدھر ایک خاص (اخبار) اتالیق نکلا جس میں اکثر نثر کی انشاپردازی کے خاص مضمون ہوتے۔ اِدھر مشاعرہ ہوا جس میں غزلیات کے علاوہ مضمون نگاری بھی شروع ہوئی۔ بعض اصحاب نے انگریزی رنگ کی خاص نظمیں لکھیں۔ مثلاً پروفیسر

---

[1] مولانا فیض الحسن فیض تھے۔ سہارن پور کے رہنے والے گمر ایک مسلم النبوت اُستاد تھے۔ خواجہ الطاف حسین حالی۔ علامہ شبلی۔ مولوی غلام مصطفےٰ ایم۔ او۔ ایل و شمس العلما عبد اللہ ٹونکی سب آپ کے شاگرد ہیں۔

آزاد کی شام - مولانا فیض کی صبح - رفیق کا جاڑا - تارا[۵۲] کی گرمی گویا[۵۳] کی راوی - پنڈت موتی لال کاتھ[۵۴] جو کی برسات مخمور کی برات - حالی کا رحم وانصاف - ارشد کی ہنسی - اکبری کی بہار ہیرے موتی کی طرح چمکیں کچھ شک نہیں - اس مشاعرے میں قالین نشینی کو اولڈ فیشن سمجھ کر کرسی نشینی عام کردی گئی تھی - اور وہ لوگ جو دور ظفر میں کسی شمار وقطار کے اندر نہ تھے - آیندہ کے لئے سندالوقت قرار پائے -

پھر لائینز ہی مشاعرہ نے ایک اور رنگ بدلا - ایجرٹن صاحب لفٹنٹ گورنر نہایت ہی علم دوست تھے - اکثر مشاعروں میں آتے - اور خاص خاص نظموں کے لئے انعام بھی دیتے -

انہیں کے خاص ایما سے انگریزی نظموں کو اردو میں ترجمہ کی ٹھہری چنانچہ مولوی احمد کبیر صاحب (عاشق تخلص) نے مسٹر گرے کی ایلجی سے بسم اللہ کی اور اس کا نام "شام غریباں" رکھا جس کی خاص قدر ہوئی - دوسرے شعرا نے بھی ادھر کی توجہ کی چنانچہ اس وقت کی یادگار چند نظمیں ورڈسورتھ - میس ہی من - کوپر وغیرہ کے ترجمے ہیں جن میں گلزار نسیم کی بحر میں گولڈسمتھ کے ڈیزرٹڈ ولیج کا ترجمہ "اجڑا گاؤں" - لالہ سوہن لال جویا کا لکھا ہوا قابل دید ہے - یہ انہوں نے لالہ تارا چند

---

۵۲ پروفیسر آزاد مصنف آبحیات کے شاگرد الٰہی بخش رفیق اور پوتے شاگرد تارا چند تارا تھے کشمیری پنڈتوں میں - دو بھائی اکبری واصغری تخلص خاصے تھے

۵۳ - لالہ موہن لال گویا تو تلامذہ غالب میں سے تھے - ان کے بھائی سوہن لال جویا بھی مشورہ لیتے تھے

۵۴ - پنڈت موتی لال کاتھ جو مترجم چیف کورٹ تھے - دوارکا پرشاد مخمور لکھنوی کا سلسلہ تلمذ مرزا آتش تک پہنچتا ہے -

تارا[۵۵] تخلص کی خاص فرمائش سے لکھا تھا۔ یہ اسی دور کی برکت سمجھیئے۔ جو اس وقت ہر ایک رنگ۔ ہر ایک مذاق اور ہر ایک خیال کے مطابق اُردو کے علمی ذخیرہ میں بہت کچھ موجود ہے۔

ترجمہ کے بعد لوگوں کو اصلی تصانیف کا خیال ہوا چنانچہ مغربی خیالات کو شرقی لباس پہناناتو ایک طرف موزوں طبعوں نے اوصاف سخن میں ایک نئی شاخ نکالی۔ اور اس کا نام نیچرل شاعری رکھا۔ یہ اب دورِ قیصری کی جان ہے۔ اور اس میں ہندو مسلمان برابر حصّہ لے رہے ہیں۔ افقؔ اکبرؔ احمدؔ۔ سرورؔ ومخمورؔ۔ برقؔ۔ بیتابؔ۔ نظرؔ و ناظرؔ۔ شاکرؔ۔ نیرنگؔ۔ اقبالؔ۔ مہرؔ۔

[۵۵] تاراچند۔ میاں الہی بخش رفیق کے شاگرد ایک زندہ دل بامذاق شاعر تھے۔ اکثر شاعروں میں طرحی غزلیں پڑھتے تھے۔ باکمالوں کے ملنے کا خاص اشتیاق تھا۔ چونکہ ان کی دکان لاہور میں وزیرخاں کی مسجد کے قریب تھی۔ اور اکثر لوگ دہلی دروازہ سے کیا شام کو سیر کے واسطے کیا ریل کو جاتے ہوئے اِدھر سے گذرتے تھے۔ یہ بھی کسی کو بغیر ایک دو باتوں کئے نہ چھوڑتے حضرت آزاد چونکہ اکثر اِدھر سے کالج کو جایا کرتے تھے۔ یہ دونو وقت سو کام چھوڑ کر ان کا منتظر رہتا۔ ایک دن کوئی بڈھے شاعر اِدھر سے جو گذر گئے۔ ٹھہر گئے۔ اور کہنے لگے۔ دہلی میں ہر ایک قسم کے سوداسلف والے اپنے مطلب کا ایک آدھ فقرہ ایسا موزوں کر رکھتے ہیں۔ جو ہزار دیوان کی جان ہوتا ہے۔ دیکھو نا پتلی پتلی تریں بیچنے والے کہا کرتے ہیں

ع۔ "لیلی کی انگلیاں ہیں یہ مجنوں کی پسلیاں"

تم بھی کوئی اپنے مطلب کی بات نکالو۔ وہ اِدھر گئے اُدھر سے اس نے اپنے سائن بورڈ پر لکھوایا۔ ع

"بتیس دانتوں کے لئے تبسہ چاہیئے"

پھر جو ایک دن بعد ان کا ادھر سے گزر ہوا کہنے لگے "حلوا خوردن راے روئے باید"

کیفی۔ جادو۔ طالب۔ رونق۔ تمنا۔ ایسے باکمالوں کی مکمل تصانیف کا تو ناظرین کو نیازمند کے مفصل مضمون "دور قیصری" کے مطالعہ سے پتہ لگے گا۔ جو عنقریب مولانا آزاد کے آبحیات کے تکملہ کے طور پر شائع ہو گا مگر بالفعل مجبور معذور اسی پر اکتفا کر کے باقی ضروری بات لکھی جاتی ہے۔

چار محروم

صاحبو! کلکتہ میں جان گلکرائسٹ صاحب نے چند ایک اہلِ قلم سے نئے رنگ کی تصنیف و تالیف سے کام لینا شروع کیا۔ تو میر امن دہلوی نے امیر خسرو کی ایک فارسی کتاب ترجمہ کر کے چار درویش نام رکھا۔ اس کتاب میں اس نے اردو کی باغ و بہار کا وہ نقشہ دکھایا ہے جس کو لوگ مزے میں دیکھتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ قصہ بعید از عقل و قیاس واقعات ظاہر کرتا ہے۔ مگر جو بات چار محروم کی نسبت بندہ عرض کیا چاہتا ہے۔ کچھ اور ہی لطف رکھتی ہے۔ مرآت الغیب کے مصنف امیر احمد امیر فرمایا کرتے تھے جس قدر شاعر اس اردو کے ہیں شاید ہی کسی اور زبان کو نصیب ہونگے۔ ان کی شاعری کے کیا کہنے "ڈھونڈھنے پر بھی تخلص تو نیا ملتا نہیں" ایک ایک تخلص کے کئی کئی شاعر۔ اور تو اور ایک لفظ محروم چار مختلف صاحبان کا تخلص ہے۔

اگر لالہ سری رام ایم۔ اے کا تذکرہ شعرا (خمخانہ جاوید) اس وقت مکمل شائع ہو رہتا۔ تو مجھے اس امر کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ پڑھنے والوں کو سب کے نام گنا تا۔ وہ تو خیر جب چھپے گا۔ چھپے گا۔ بالفعل ان

چاروں کی نسبت مختصر طور پر کچھ لکھا جاتا ہے۔

ان محروموں میں نمبر اوّل پر شاہ آبرو کے شاگردوں میں ایک صاحب اگرسین مشہور ہیں۔ یہ فارسی میں خوب کہتے تھے۔ اور جب کبھی چمنِ ریختہ میں طبیعت آزماتے لطف آجاتا۔ کلام کی پختگی کے لئے اُستاد کا نام زندہ سرٹیفکیٹ۔ دس بیس تذکرے الٹے مگر کہیں بھی پوری غزل نہ ملی۔ ایک صاحب کے قلمی بیاض میں دو شعر جو آپ کے نام سے لکھے تھے۔ وہی دہرائے جاتے ہیں۔

(۱) خاکساری کے لئے پیدا کیا تھا خاک سے
خاک کے پتلے سے ورنہ اس کا مطلب خاک تھا

(۲) اشتیاقِ مے میں یوں ہم یار مُنہ کھولے رہے
جس طرح وقتِ نزع بیمار مُنہ کھولے رہے *

افسوس! زمانہ کی ناقدر شناسی سے اُن کے مزید کلام کا پتہ نہ چلا۔ مگر زیادہ حفسوس تو دوسرے محروم کی حالت پر ہے۔ جس کا اس وقت ایک شعر بھی نہیں ملتا۔ مولانا فیض نے ایک دفعہ مولوی محمد الدین صاحب فوقی ایم۔ او ایل۔ سے ان کا ذکر خیر کرتے وقت فرمایا تھا۔ ہمارے مولانا فضل حق کے شاگردوں میں طالب علی محروم اچھی طبیعت رکھتے تھے۔ آپ نے ایک

* اس شعر کا مضمون مرزا حسن علی احسن کے مندرجہ ذیل شعر سے لڑگیا ہے جو میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے ؎

کل طلب میں مے کی یوں ہم یار منہ کھولے رہے
نزع میں پانی کو جوں بیمار منہ کھولے رہے

بہر حال دو نو استاد ہیں کہ نہیں سکتے معاملہ کیا ہے۔ اساتذہ کے کلام میں اکثر پورے مصرعے ایسے ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔

مثنوی مولانائے روم کے بحر میں لکھی تھی جس میں موسیٰ کی سوانح عمری ہے۔ چند ایک واقعات بہت عمدہ تھے چونکہ ان کا رنگ مولویانہ تھا۔ اس لئے شوخ طبائع اکثر مذاقاً ان کے سامنے پڑھ کے کچھ سے کچھ معنی نکالتیں۔ اور وہ برافروختہ ہو کر کہتے۔ چاہے کچھ بھی ہو میرے لئے یہی کافی ہے۔ کہ میرے اشعار پڑھنے میں تمہیں لطف تو آجاتا ہے۔

تیسرے محروم لالہ گنگا پرشاد خلف لالہ جمنا پرشاد مظلوم تھے۔ باپ کے نام کی رعایت سے گنگا پرشاد نے اپنے لئے محروم تخلص تجویز کیا اور اپنے دوسرے بھائی گومتی پرشاد کے لئے معموم دو نو بھائی خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ اور مذاق سلیم رکھتے تھے محروم بہت ہی چلبلا زندہ دل تھا۔ اور بات کی تہ کو خوب سمجھتا تھا طبیعت رسا تھی۔ بدیہ گوئی اور حاضر جوابی کے لئے مشہور تھا۔ چنانچہ خواجہ صاحب کو بھی اس کے ذہن رسا پر ناز تھا۔ چند ایک باتیں یہاں تفنن کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱)۔ جب گلزار نسیم لکھی گئی۔ تو ایک مسلمان صاحب فخریہ کہنے لگے۔ اس ہندو نے بھی اپنی مثنوی مسلمانوں کے رنگ پر لکھی ہے۔ اسے کچھ تو اپنے دھرم کے مطابق کہنا چاہیئے تھا۔ محروم نے سنتے کے ساتھ کہا ذرا پہلا شعر تو پڑھیئے چنانچہ جب انہوں نے یہ شعر پڑھا

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ۔ ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

محروم نے کہا اور کیا چاہتے ہو۔ اس میں نہ صرف ہر کا لفظ ہے۔ بلکہ مسئلہ تناسخ جو ہندو دھرم کی جان ہے۔ وہ بھی پایا جاتا ہے۔ وہ سن کر چپ رہ گئے۔

(۲)۔ تم نے آبحیات آزاد میں شیخ ناسخ کے حالات کے اندر دیکھا ہوگا۔ "ایک حکیم صاحب جو کاشمیری تھے ۱۲۳۵ھ ہجری میں مخردل ہوکر جب بھاگ گئے تو ناسخ نے تاریخ بھی "کاشو برائے پختن شلغم گریختہ"

تاریخ لفظ گریختہ (۱۲۳۵) سے نکالی تھی۔ پروفیسر آزاد یہاں تک لکھ کر خاموش ہیں۔ مگر محروم جو علم جمل میں یکتا تھے۔ بول اٹھے۔ اس قسم کی تاریخ کبھی صحیح نہیں ہو سکتی

کہنا پورا مصرع۔اور تاریخ شمار کرنا صرف ایک جزو ہے۔بغیر اس کے کوئی اشارہ کنا یہ ہو علمائے فن کے فتوی سے جائز نہیں۔ بات تھی تہ کی ناسخیوں نے اِس کی ترمیم میں دوسرا مصرع گھڑا۔

شد سال ایں گریختش ہم گریختہ

اس پر محروم بولے "ہم چہ معنی دارد" اور ساتھ ہی ایک استاد کی تاریخ کا شعر پڑھا۔

سالِ تولیدِ او معظم داں (۱۰۵۰) سالِ ترحیل ہم معظم خواں (۱۰۹۵)

(۳)۔ ناسخ نے دو اور وفاتی تاریخیں حسب ذیل کہی تھیں۔ایک میر گھسیٹا کی موت پر افسوس کہ موت نے گھسیٹا۔دوسری ایک رئیس کے انتقال پر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اور دونوں میں ک کے بیس بیس گنے تھے محروم نے ان کی نسبت کہا۔جمل میں مکتوبی محسوب ہوتے ہیں نہ ملفوظی یعنی ک ۲۵ ہونا چاہیئے۔

(۴)۔ میر علی اوسط رشک نے ناسخ کی تاریخ رحلت لکھی۔

دلا شعر گوئی اٹھی لکھنو سے"

ہندس محروم نے کہا جب تک اس کے پہلے مصرع میں اِس قدر توضیح نہ ہو۔یہ سارے کا سارا مصرع تاریخ ہے۔صحیح نہیں کیونکہ سیاق عبارت ہے کہ لکھنؤ سے شعر گوئی اٹھی جو از قبیل محالات ہے۔کہتے ہیں اس اعتراض پر رشک خوب جلے تھے۔

لالہ شیو پرشاد وہبی کہتے ہیں۔ان باتوں سے محروم کا علم خوب چمکا تھا۔ اور آباد کا

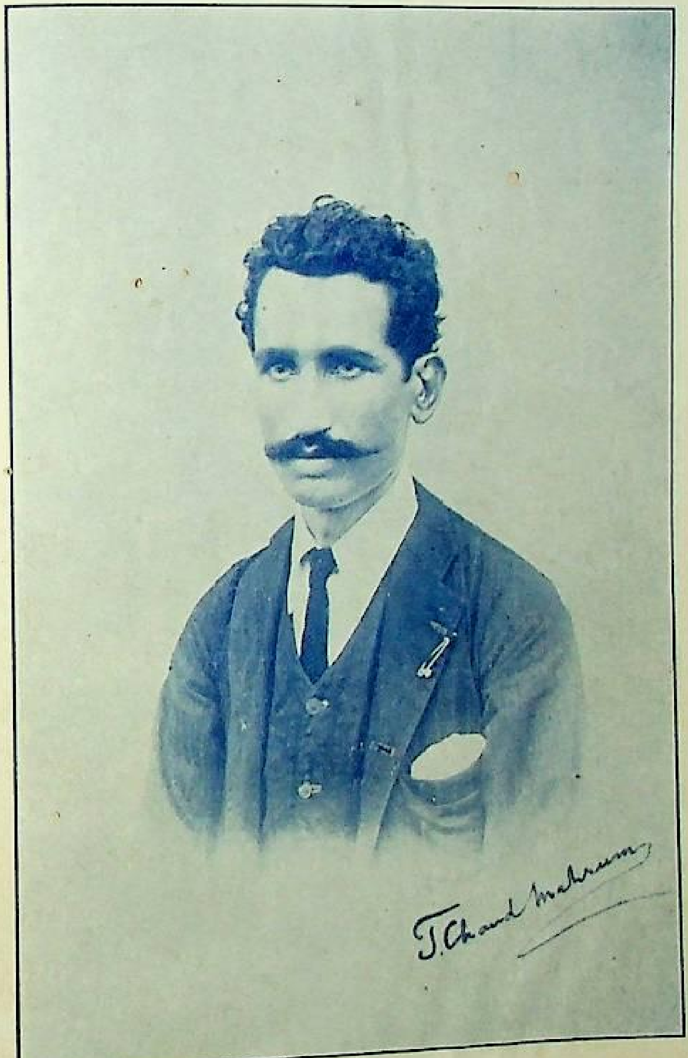
ف جن لوگوں نے منشی نولکشور کے مطبع کی کتاب بہارستان سخن دیکھی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولف نے ناسخ۔آتش کے ساتھ ایک تیسرے شخص آباد کا طرحی کلام یکجا شائع کیا ہے۔اس میں پہلے کالم میں کلام ناسخ ہے۔دوسرے میں غزلیات آتش اور تیسرے میں نواب مہدی حسن آباد کے افکار موجود ہیں۔کہتے ہیں۔آباد دونوں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔چنانچہ اکثر آباد کے ہاں دونو کا رنگ موجود ہے۔

قول ہے۔ استاد و شاگرد کے کلام میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ ان کے اکثر اشعار جو استاد کی نظر سے بھی نہ گذرے تھے۔ لوگ اصلاح شدہ سمجھتے تھے۔

چوتھے محروم ہمارے منشی تلوک چند ہیں۔ جو اس وقت خدا کے فضل سے باغِ زندگی کی پوری تیسویں بہار دیکھ چکے ہیں۔ ان کے دیکھنے کا شوق ہو تو تصویر ملاحظہ ہو۔ اور جو باتیں سُننا چاہتے ہو۔ کلام موجود ہے۔ یہ فطرت ہی سے شاعر پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے عروسِ سخن کے دلدادہ رہے۔ جب ان کے دوسرے ہم عمر کھیل کود میں لگتے۔ یہ مشق سخن کی ٹھہراتے۔ ان کی طبیعت کی روانی کے لئے عیسےٰ خیل (ضلع میانوالی) کے دریائے سندھ نے یک قلم وہی جوش دکھلایا جو ورڈسورتھ اور ٹے نی سن کو ٹیمز کے موج در موج نظارے دکھلاتے تھے۔ یا ذوق و غالب کو دہلی میں جمنا کی نظر فریب متلون مزاج لہروں کے سین پیش کرتے۔ جو دل چاہتا لکھتے۔ اور پھر خود ہی پڑھ پڑھ کر سنوارتے۔ کلام نہ کسی کو دکھلایا۔ نہ کسی سے اصلاح لی۔ جو کچھ ہوا اپنے آپ ہی خراد پر چڑھایا۔ اور ثابت کر دیا کہ شاعری میں اُستادی شاگردی کیسی۔ آپ کے کلام پر تنقید کرنے کا یہ موقع نہیں البتہ اتنا کہنے سے میں بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ محروم نے اپنے کلام میں وہ کمال دکھلایا ہے۔ کہ کاملانِ فن مان گئے ہیں۔ ایڈیٹران اخبارات نے اِن کی نسبت جو کچھ بھی لکھا ہے جُدا موجود ہے۔ اور منصف مزاج تو صاف کہتے ہیں۔ سرور کی جدّت۔ نوبت رائے نظر کا تخیل۔ کیفی کی پختہ کلامی۔ فلک کی ہمہ گیری۔ برق کی تجلی۔ اقبال کی گداز۔ سورج نرائن مہر کی جھلک۔ طالب کا انداز۔ بحر کی شوخی۔ ساقی کا رنگ۔ شاد کا مذاق۔ شیدا کی مشتاقی۔ بیتاب کی مضمون آفرینی۔ ایمن کی خوش کلامی۔ سوز کی

گرم جوشی بیخودی کی خصوصیت اپنی اپنی جگہ سب موجود ہیں۔ غرض کیا کہوں کیا ہے کیا نہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ایک دفعہ سر سے پیر تک اِس کتاب کو شوق سے دیکھئے۔ مختلف مضامین پڑھئے۔ اور پھر کہئے۔ کلامِ مجرمؔ کے مصنف نے جذبات کا فوٹو کیسا کھینچا ہے۔

حقیر میر کرامت الله عفی عنہ،



SAMYA PRESS, 6 COLLEGE SQUARE CALCUTTA

شاعری کے چند لوازمات

فرضی، فرسودہ عاشقی کے شاعر — کم ہوتے ہیں اپنی زندگی کے شاعر
لفظوں میں جو دِل کی ترجمانی کر دیں — لائق ہیں وہ دل کی دوستی کے شاعر
شاعر ہیں وہی ہیں جن کے جذبات اعلےٰ — اُردو کے ہوں یا ہوں ناگری کے شاعر
دیتا ہے سخن کو پر تخیّل کا زور — اُڑتے تھے فسانۂ پری کے شاعر
دشت و دریا میں ہیں مضامین تازہ — بوسیدہ ہیں شہر کی گلی کے شاعر
معنی خاطر نشیں ہوں، دلکش الفاظ — موزوں نہیں ورنہ شاعری کے شاعر
کافی ہے جوہرِ طبیعت، کافی — شاگرد ہوں، یا نہوں کسی کے شاعر
کرتا ہے بیانِ عشق جادو دل پر — اِس فن میں چچا ہیں سامری کے شاعر
ہے عشق و ہوس میں فرق لیکن لازم — ہوتے ہیں خودی و بیخودی کے شاعر
اظہارِ ہوس پہ یوں کہے گی دُنیا — اچھے تھے، مگر تھے گندگی کے شاعر
جذباتِ وفا ہیں اُن کے اکثر بے لوث — پہلے جو ہوئے ہیں پہلوی کے شاعر
اُردو میں بھی میرؔ و دردؔ و آتشؔ، غالبؔ — قابل ہیں سب کی پیروی کے شاعر
بے شک ہیں غنیمت آج۔ اکبرؔ، اقبالؔ — دو ہی نظر آئے اِس صدی کے شاعر
بالا سب سے ہیں گو جنابِ ڈاکٹر ٹیگورؔ — لیکن وہ ہوئے عوض رشی کے شاعر

دریائے رواں ہے طبع شاعر محرومؔ
ہم کیا ہیں کہ ہیں کبھی کبھی کے شاعر!

عرضِ حال

حضراتِ ناظرین! مجھے دعویٰ نہیں کہ میں ۔۔۔ صاحب سخن ہوں، شاعرِ معجز نگار ہوں
کب ہوں میں قابلِ چمنستانِ شاعری ۔۔۔ رنگیں مزاج ہوں، نہ لطافت شعار ہوں
اس باغ میں ہوں سبزۂ بیگانہ کی طرح ۔۔۔ خارِ چمن ہوں میں، نہ گلِ نو بہار ہوں
کھولے کبھی ورق نہ کتابِ عروض کے ۔۔۔ مفعول، فاعلات سے بیگانہ وار ہوں
دیکھی ہے میں نے دہلی، نہ دیکھا ہے لکھنؤ ۔۔۔ خود روبروئے اہلِ زباں شرمسار ہوں
مجھ کو نہیں ہے صحبتِ اہلِ سخن نصیب ۔۔۔ تحسینِ نکتہ یاب کے کب کا سگار ہوں
دوری رہی ہے حضرتِ اربابِ ذوق سے ۔۔۔ رہکر وطن میں اپنے غریب الدیار ہوں
ہے مجھ سے دور منزلِ مقصودِ علم و فضل ۔۔۔ اِس راستے میں خاکِ سرِ رہگذار ہوں

شعر و سخن سے ہاں ازلی ذوق دل کو ہے ۔۔۔ وہ ذوق جس کے ہاتھ سے مجبور و زار ہوں
قدرت نے کی طبیعتِ موزوں عطا مجھے ۔۔۔ منت گزارِ نعمتِ پروردگار ہوں
بچپن سے ہے مظاہرِ فطرت سے دل کو اُنس ۔۔۔ وہ اُنس جس پہ میں دل و جاں سے نثار ہوں
موزونئ طبیعت و چشمِ نظارہ بیں ۔۔۔ محرم مرے ہیں اِن سے رہا ہمکنار ہوں
مستی کلام میں ہے نہ پاکیزگی بہت ۔۔۔ نے رندِ بادہ نوش نہ پرہیزگار ہوں
محروم داغِ دل بھی ہیں باغِ دہر میں ۔۔۔ سینہ ہو لالہ زار نہ وہ دل فگار ہوں

محروم کیا بتاؤں کہ میں کیا ہوں، کون ہوں
جو کچھ ہوں ترجمانِ دلِ بیقرار ہوں!

اوم

کلام محروم

حصّہ اول

زمزمۂ توحید

(مطبوعہ رسالہ مخزن بابت جون ۱۹۰۷ء)

ہر ذرہ میں ہے ظہور تیرا
ہے برق و شرر میں نور تیرا

افسانہ ترا جہاں تہاں ہے
چرچا ہے قریب و دور تیرا

ہر ذرۂ خاک میں ہے لمعاں
مخصوص نہیں ہے طور تیرا

محتاج شراب و جام کب ہے
جس دل کو ہوا سرور تیرا

گاتے ہیں سحر ہوا میں کیا کیا
دم بھرتے ہیں سب طیور تیرا

تو جلوہ فگن کہاں نہیں ہے
وہ جا نہیں، تو جہاں نہیں ہے

تاروں میں چمک دمک تری ہے
جو رعد میں ہے کڑک، تری ہے

اے باعثِ رونقِ گلستاں!
ہر غنچے میں ہے ترا تبسّم
نغمے مُرغانِ خوش گلُو کے
کہتی ہے کلی کلی زباں سے

شاخوں میں لہک لچک تری ہے
ہر گل میں بھری مہک تری ہے
گنتے ہیں یہ سب چمک تری ہے
میری یہ نہیں چٹک تری ہے

بشگفتہ ہے تو چمن چمن میں
خنداں ہے گلاب و یاسمن میں

خوبوں میں ہے تیرا حُسنِ رعنا
نوکِ مژہ میں تری خلش ہے
تیکھی چتون، کٹیلی آنکھیں
ہیں صُورتِ تیغِ زنگ آلوُد
اُس چہرے میں سادگی ہے تیری

ہر ایک حسین ادا کا پتلا!
عشّاق کے دل میں ہے جو کانٹا
گر اِن میں نہ ہو تو کارفرما
جس کا نہ اثر ہو دل پہ اصلا
چہرہ جو کوئی ہے بھولا بھالا

یکتائے زمانہ حسُن تیرا!
عالم میں فسانہ حسن تیرا!

اے معنئ نازِ نازنیناں!
عالم ہے نگار خانہ تجھ سے
تیرے ہی یہ ولولے ہیں دل میں
ہیں صبر و قرار تجھ سے قائم
اے وجہِ تسلّئ دلِ زار!

اے نورِ جبینِ مہ جبیناں!
اے مایۂ خوبئ حسیناں!
اے ذوقِ دلِ جمال بیناں!
اے مرہمِ زخمِ غم قریناں!
اے موجبِ راحتِ حزیناں!

پروانے کو تیری ہی لگن ہے!
اور شمع میں تیری ہی جلن ہے!

ناقوس میں تو، اذاں میں تو ہے ہر شور میں، ہر فغاں میں تو ہے
گنگا میں ہیں اٹھتی تیری موجیں زمزم کی صفائے جاں میں تو ہے
ہر قافلے میں تیری صدا ہے ہر منزل و ہر نشاں میں تو ہے
ہے تیرے بغیر کون موجود ہے کوئی اگر جہاں میں، تو ہے
ہے دیر و حرم میں تیرا جلوہ القصہ مکاں مکاں میں تو ہے

سجدہ ہے ترا ہر اک کا مقصود
خالق تو ہے سب کا اور معبود!

یہ کشمکشِ حیات کیا ہے تیرا ہو کرم تو بات کیا ہے
اے رہبرِ کاروانِ ہستی! راہِ غم مشکلات کیا ہے
تو جس کو دکھا دے اک تجلّی کیا جانے وہ غم کی رات کیا ہے
جو رل گئے تجھ میں، اُنکے آگے تمیز صفات و ذات کیا ہے
جس نے تجھ میں سمائی پائی پھر اس کو غمِ ممات کیا ہے

ہر ذرّے میں تیری جستجو ہے
محروم کو بھی اک آرزو ہے!

یہ کس کے جلوے ہیں سارے؟

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت اکتوبر ۱۹۱۱ء)

میں اس نظم کو نہایت خلوص کیساتھ جناب منشی سورج نراین صاحب مہر دہلوی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔ (محروم)

فلک پہ مہر و مہِ پرضیا کے جلوے ہیں
زمیں پہ لالہ و گُل کی ادا کے جلوے ہیں
بُتانِ مہروش و مہ لقا کے جلوے ہیں
ستم خدا کی! غضب کے بلا کے جلوے ہیں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں

بتا تو مہرِ منور میں نور کس کا ہے؟
میانِ انجمِ تاباں ظہور کس کا ہے؟
یہ تجھ میں اے دلِ شاعر! سرور کس کا ہے؟
دماغِ فلسفی! تجھ میں شعور کس کا ہے؟

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

نجومِ شب میں بلند اختری اُسی کی ہے
جو چاندنی میں ہے جاں پروری اسی کی ہے
ضیا ہر ایک کُرہ میں بھری اسی کی ہے
اُسی کا نور ہے جلوہ گری اسی کی ہے

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

وہی ہے رعد میں، بجلی میں، اور بادل میں
اسی کے دم سے ہے منگل ہر ایک جنگل میں!
اُسی کی بو ہے گلوں میں اسی کا رس پھل میں
اسی کی نکہتِ تر ہے صبا کے آنچل میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

ہر ایک برگِ چمن اُس کا ہے پتا دیتا
جو گل سے پوچھو تو وہ بھی ہے مسکرا دیتا

ہر ایک شہر و جو انگلی ہے یوں اُٹھا دیتا
نشاں اُسی کا نہیں ہے یہ مجھ بتا دیتا

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

اسی کا داغ ہے لالے کے دل میں دیکھو تو!
وہی ہے دیدۂ نرگس کے تل میں دیکھو تو!
وہی تو پھولوں کی ہے آب گل میں دیکھو تو!
لکھا ہے ہر ورقِ متصل میں دیکھو تو!

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

چمن میں، دشت میں، وادی میں، کوہ و صحرا میں
کہیں و لے میں، شبنم میں، ابر و دریا میں
شرر میں، شعلے میں، آتش میں، برقِ سینا میں
شمیم گل میں، نسیم مسرت افزا میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!

اُسی کے جلوے ہیں سارے جو چشم بینا ہو
تمام ذرے ہیں تارے جو چشم بینا ہو
وہ روبرو ہے ہمارے جو چشم بینا ہو
بشر زباں سے پکارے جو چشم بینا ہو

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں!



خطا کس کی ہے؟

(مطبوعہ رسالہ زمانہ بابت اکتوبر ۱۹۱۳ء)

غنچہ و گل میں ذرا دیکھ، ادا کس کی ہے؟
سرو ریحاں میں بھلا نشو و نما کس کی ہے؟
سبزۂ تر میں لٹک کس کی؟ فضا کس کی ہے؟
گہری سبزی جو ہے پتوں میں بتا کس کی ہے؟
جلوہ فرمائی یہ سب اُس کے سوا کس کی ہے؟
اب بھی شاداں نہ ہوا دل تو خطا کس کی ہے؟

گُل شاداب کا شیدا ہے بہت تو اے دل
جانفزا تیرے لئے رنگ ہے اور بو اے دل
ہنسنے والوں کی تجھے بھاتی ہے خُوبو اے دل
روز و شب جوشِ بہاراں ہے ہر اک سُو اے دل
کہیں نیلوفرِ خنداں، کہیں شبّو اے دل،
اب بھی شاداں نہ ہوا دل تو خطا کس کی ہے!

ہے نظر پرورِ عشاق جمالِ جاناں
سرسری سا تجھے رہتا ہے خیالِ جاناں
جان لیتا نہیں دیتا ہے ملالِ جاناں
ورنہ مشکل نہیں اتنا تو وصالِ جاناں
ذرّے ذرّے میں چمکتا ہے جمالِ جاناں
اب بھی شاداں نہ ہوا دل تو خطا کس کی ہے؟

چہچہاتے ہیں پرندے چمنستانوں میں
وحش میں چوکڑیاں بھرتے بیابانوں میں
مائلِ رقص ہیں طاؤس بیابانوں میں
وہ بھی دلشاد ہیں جو رہتے ہیں ویرانوں میں

تجھ کو اللہ نے پیدا کیا انسانوں میں
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے!

آبشاروں کا ترنّم ترے بہلانے کو
دن کو ہنگامۂ مردم ترے بہلانے کو
لالہ زاروں کا تبسّم ترے بہلانے کو
رات کو محفلِ انجم ترے بہلانے کو
تجھ کو دی تابِ تکلّم ترے بہلانے کو
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے؟

چاندنی تیرے لئے اُس نے بنائی کیسی
چرخ پر ماہ کی ہے جلوہ نمائی کیسی
خاک کے فرش پہ چادر یہ بچھائی کیسی
رُخِ پر نور میں اسکے ہے صفائی کیسی
دیکھ صانع نے یہ صنعت ہے دکھائی کیسی
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے!

اور ایسے ہی ہزاروں ہیں نظارے دلکش!
آتشِ حُسن کے آ دیکھ شرارے دلکش!
جانفزا ایک سے اک جتنے ہیں سارے دلکش!
ہیں سرِ ارض و سما پھول ستارے دلکش!
کتنے دلچسپ ہیں کیسے ہیں یہ پیارے دلکش
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے؟

روزِ محروم یہی درس پڑھاتا ہے تجھے
لیکے ہر روز جو ویرانے میں جاتا ہے تجھے
سیکھنے کی ہیں جو باتیں وہ سکھاتا ہے تجھے
مرحلے راہِ حقیقت کے دکھاتا ہے تجھے
بات جو غیب سے سنتا ہے سناتا ہے تجھے
اب بھی شاداں نہ ہوئے دل تو خطا کس کی ہے؟

خدا کی امانت

(مطبوعہ مخزن بابت فروری ۱۹۰۸ء)

جس دل کو ابتدا میں خبر انتہا کی ہے
پھر اس کو خوف کیا ہے جو دنیا بلا کی ہے
ہر چند اس کی خو میں بہت گو وفا کی ہے
لیکن ہوس کی چاہ نہ خواہش ہوا کی ہے!

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

یہ بھی خبر ہے او غمِ دنیائے دُوں تجھے
سر اپنا لاکھ پیٹ مگر دل نہ دوں تجھے
دل جانتا ہے صورتِ صیدِ زبوں تجھے
ورنہ ہیں دل کے نام پہ قرباں کروں تجھے

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

او قاصدِ شباب! نہ لانا پیامِ عشق
چھاتی دہل گئی ہے یہاں سنکے نامِ عشق
ہو جاؤں یوں تو جان سے دل سے غلامِ عشق
ممکن ہے بھول جاؤں کہیں پی کے جامِ عشق

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے؟

او حسنِ فتنہ ساز تجھے دیکھتا تو ہوں
ہے مثلِ سحرِ سامری بیشک ترا فسوں
بہتر ہے تیرے عشووں سے ناآشنا رہوں
تو لاکھ عشوہ باز ہو پر دل تجھے نہ دوں

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے؟

مجنوں کا دل ہے خواہشِ لیلےٰ کے واسطے
وامق کا دل ہے دامنِ عذرا کے واسطے
بلبل کا دل بنا گلِ رعنا کے واسطے
پھر دل مرا ہے کس کی تمنا کے واسطے

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

پنہاں اسی میں راز ہیں کچھ رازدار کے
دامن میں پھول کچھ ہیں کہیں کی بہار کے
لایا تھا ساتھ عرشِ بریں سے اُتار کے
پہلو میں کچھ ہیں داغ کسی لالہ زار کے

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

کتنے ہی اسکے چاہنے والے ہیں تاک میں
مل جائے آہ۔ آہ! مرا دل نہ خاک میں
دم کر رکھا ہے نفسِ ستمگر نے ناک میں
کیا چیز لے کے جاؤں گا درگاہِ پاک میں

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

صیادِ نفس! طائرِ دل سے ذرا پرے!
دانا ہے کب فریب میں آتا ہے؟ جا پرے
کمبخت! اپنے جال کو جا کر بچھا پرے
مکار! جا کے مکر کے دانے گرا پرے

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

کس کام کا یہ دل ہے جو ناپاک ہو گیا
دل گر مُرید راندۂ افلاک ہو گیا
ناچیز ہو گیا! خس و خاشاک ہو گیا
آلودۂ گناہ تہِ خاک ہو گیا

یہ دل مرا نہیں ہے۔ امانت خدا کی ہے!

پرانا کرتہ

(مطبوعہ رسالہ کمال دہلی بابت اگست ۱۹۱۰ء)

کل سحر پھینک کے اک اپنا پرانا کرتہ / یوں لگا سوچنے میں سر بہ گریباں ہو کر
کہ یہ کرتہ جو رہا برسوں مثالِ جوشن / دافعِ ضربتِ شمشیرِ زمستاں ہو کر
شدتِ موسمِ سرما سے بچایا مجھ کو / کی ہے کیا خوب ہی جاں کی مری نگہباں ہو کر
آج یہ کہنہ ہوا میں نے اسے پھینک دیا / اس سے کی میں نے مروت بھی پشیماں ہو کر

شاعرانہ سی پڑی تھی مرے دل میں الجھن / کہ صدا روح نے دی مجھ کو یہ غرّاں ہو کر

کس توہم میں ہے محروم! ذرا آنکھ تو کھول / کس لئے بیٹھا ہے غافل تو پریشاں ہو کر
لے سبق پارچۂ کہنہ سے دانا بن کر / نہ کہ مغموم سا ہو بیٹھ تو ناداں ہو کر
یہ ترا جسم بھی کرتے کی طرح ہے غافل! / اور اس کرتے میں ہم رہتے ہیں پنہاں ہو کر
یہ بھی اک روز اسی طرح پرانا ہو گا / پھینک دینگے اسے اور نکلیں گے عریاں ہو کر

فانی چولے سے محبت کو گھٹاتا جا تو / تاکہ جب چھوڑیں تو چھوڑیں اسے شاداں ہو کر!

بُلبُلہ

(مطبوعہ رسالہ زمانہ۔ جولائی ۱۹۰۷ء)

پھولا ہوا ہے کس لیے؟ کیا بُلبلے میں ہے
اُف! کس قدر غرور بھرا بُلبلے میں ہے

اللہ! کونسی یہ ہوا بُلبلے میں ہے
فرعون کوئی آ کے چھپا بُلبلے میں ہے

کتنا اُبھار! کتنی اکڑ! کیسی شان ہے
پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے!

ہے آب و تاب خوب مگر یہ گہر نہیں
گنبد عجیب سا ہے، مگر کوئی در نہیں

ہے تاج یہ کسی کا مگر زیبِ سر نہیں
سر میں ہوا ہے اسکے مگر یہ بشر نہیں

دم خم کے ساتھ بھی نہیں تلوار بُلبلہ
پھر چیز کیا ہے اے اولوالابصار بُلبلہ!

یارب! کسی کا آبلۂ پا ہے بُلبلہ
فوراً نہاں نظر سے جو ہوتا ہے بُلبلہ

یا دل جلوں کے دل کا پھپھولا ہے بُلبلہ
مجھ کو یقیں ہے بیضۂ عنقا ہے بُلبلہ

یہ بُلبلہ ہے یا کہ طلسمِ حیات ہے!
پیدا ہوا ابھی ابھی نذرِ ممات ہے!

چھوٹا سا ایک خیمۂ آبی کہوں اسے
جامِ بلور ہے جو کروں واژگوں اسے

یا گنبدِ فلک سے میں تشبیہ دوں اسے
کس مستِ بادہ خوار نے پھینکا نگوں اسے

کس نازنیں کی بزم کا یارب! یہ جام ہے
سارے جہاں کی نازکی جس پر تمام ہے

محروم اس کو چشمِ بصیرت سے دیکھئے
کچھ سوچئے حباب! نہ حیرت سے دیکھئے

اپنی نگاہِ عاشقِ قدرت سے دیکھئے
ہر ایک شے کو دیدۂ عبرت سے دیکھئے

جویائے کنہ رازِ نہاں کے لئے یہاں
عالم کا ذرّہ ذرّہ ہے اسرار کا جہاں

ہے وقت موجِ آبِ رواں اور یہ بشر
آجائے ایک موجۂ بادِ فنا اگر

ہے بلبلہ کہ اپنی فنا سے ہے بے خبر
رہ جائے بلبلے کی طرح ٹوٹ پھوٹ کر

کرتا ہے بلبلہ سبق آموزئ فنا
دیتا ہے آدمی کی حقیقت کا یہ پتا

پانی کی بوند بوند بشر اور حباب ہیں
دونوں مئے غرور سے مست و خراب ہیں

اور دونوں اس جہان میں نقش بر آب ہیں
اور اس لئے غریقِ یمِ پیچ و تاب ہیں

دل میں اگر خودی نہ ہو سر میں ہوا نہ ہو
ہوں اپنی اپنی ذات میں صورت جدا نہ ہو

الدنیا دار الغرور

(مطبوعہ رسالہ زبان دہلی)

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برقِ طور ہے
عالم میں کبر و عُجب کا ہر سو ظہور ہے
ہر کنکری کو ہمسریٔ کوہِ نور ہے
دنیائے انکسار جو ہے یاں سے دور ہے
ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

خوبوں کو اپنی خوبیٔ صورت پہ ناز ہے
ناز و ادا پہ چشمِ پُر آفت پہ ناز ہے
مٹی کو گوری سانولی رنگت پہ ناز ہے
تنتے ہیں، قدِ رشکِ قیامت پہ ناز ہے
جو ان کو دیکھتا ہے وہ کتنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

شاہوں کو اپنی صولتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
جاہ و حشم پہ، دولتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
نعمت پہ، عیش و عشرتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
طبل و علم پہ، شوکتِ شاہی پہ ہے گھمنڈ
ہر شخص ان کو دیکھ کے کتنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

زاہد کو دیکھیے تو الگ اس کی شان ہے
حضرت کو زہدِ خشک پہ کتنا گمان ہے
خلقِ خدا پہ طعن ہیں، طاعت کا مان ہے
بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہے

جو اس کے ڈھنگ دیکھ لے کتنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں
جاہل یہ کون عالم دانا ہنسا نہیں

ہم کو تو اس جہاں میں بھی ٹک ملا نہیں
رونا یہ ہے کہ کوئی بھی عجز آشنا نہیں

نشہ شراب علم میں ہے اور ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

اہلِ ہوس کو حرص کی وسعت کا فخر ہے
قانع کو اپنے گنج قناعت کا فخر ہے

ہل من مزید کہنے کی عادت کا فخر ہے
ہمت کا اور غیور طبیعت کا فخر ہے

معیوب ہو نہ ہو یہ تکبر ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محروم خاکسار! جہاں کا یہ حال ہے
نام و نمود نے جو بچھایا یہ جال ہے

ہو اس جہاں سے دور جو فکرِ مآل ہے
بچنا مگر خیال میں اس سے محال ہے

گر کھل سکی نہ آنکھ تو بچنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

مہاتما بدھ

(ایوانِ شاہی میں آخری رات)

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت دسمبر ۱۹۱۲ء)

اے زمینِ خاک بر سر! یوں نہ ہو اندوہگیں
میں شریکِ غم ہوں تیرا ہوں کسی خاطر حزیں

تیری خاطر اور ترے بچوں کی خاطر اے زمیں!
مضطرب ہوں میں، مرے دل کو قرار اصلا نہیں

نیم بسمل میں بھی ہوں، تو ہے اگر نخچیرِ غم
لے لیا اپنے جگر پر میں نے تیرا تیرِ غم

ماتمی صورت ہے تیری اے سیہ پوشِ آسماں
تو گھٹا ہے سوزِ غم کی یا ہے آہوں کا دھواں

اشکِ خوں دامن پہ ہیں، یا ہیں شفق کی سرخیاں
داغِ تاباں ہیں مہ و خورشید سینے میں عیاں

تو ہے محزوں اہلِ عالم کی مصائب دیکھکر
شامِ غم، صبحِ قیامت، ہیں مرے شام و سحر

اے ستارو! تم سراپا ہو کے چشمِ انتظار
دیکھتے ہو میری جانب صورتِ امیدوار

لو اب آیا میں، اب آیا تم پہ ہونے کو نثار
کب سے ہوں آوارگی کی آرزو میں بیقرار

آہ میں جکڑا ہوا سونے کی زنجیروں میں ہوں
ہر گھڑی آزاد ہو جانے کی تدبیروں میں ہوں

عشرتِ ایامِ آغازِ جوانی! الوداع
الوداع اے ذوق و شوقِ عیشِ فانی الوداع

الوداع اے تاج و تختِ مرزبانی الوداع
الفراق اے خورمی اے شادمانی الوداع

الوداع اے حسرتِ لیل و نہارِ آرزو
اے دلِ غمدیدہ! بن جا تو مزارِ آرزو!

آہ! پر تیری جدائی آہ! او آرامِ جاں
تجھ کو سوتا چھوڑ جاؤں سنگدل ایسا کہاں

اُف! تڑپتا ہے مچلتا ہے دلِ ناشاد ہاں
آئینہ رو تیری فرقت مجھ پہ ہے کوہِ گراں

عزمِ راسخ ہے مگر منہ تجھ سے موڑوں کس طرح
رشتۂ عہدِ وفا کو آہ! توڑوں کس طرح

تیری فرقت اور پھر اُس گوہرِ شہوار کی
جس کو نیسانِ محبت نے عطا کی زندگی

جو کہ آرامیدہ دامانِ صدف میں ہے ابھی
آب و تابِ زیست بڑھ جائیگی جس سے واقعی

شمعِ دل افروز ہوگا خانۂ جاں کے لئے
مایۂ نورِ بصارت چشمِ حیراں کے لئے

اے فریبِ لذتِ فانی! نہ تو بہکا مجھے
دیدنی ہے روئے گل پر اِس سے مطلب کیا مجھے

آہ اے جھوٹی محبت! دے نہ اب دھوکا مجھے
گھر نظر آیا ریاضِ دہر کانٹوں کا مجھے

یہ کشاکش ہائے بیجا ہیں سلاسل کی طرح
توڑ دوں ان کو طلسمِ نقشِ باطل کی طرح

رخصت اے اماں! باپا! بیوی! رخصت اے اہلِ دیار
کی تمہارے ہی لئے میں نے یہ فرقت اختیار

دیکھنا میری جدائی پر نہ ہونا اشکبار
دیکھئے کیا کیا دکھائے گردشِ لیل و نہار

المدد اے جستجوئے صادقِ راہِ نجات
کونسی خلوت میں ہے اے شمعِ رازِ کائنات!

جگانے کی گھڑی

(مطبوعہ رسالہ عصمت دہلی۔ بابت اپریل ۱۹۰۹ء)

وقتِ سحر ہے۔ سونے والو!
دھیان کدھر ہے۔ سونے والو!

جاگو نیند کے اے متوالو!
لُطفِ سحر کو کھونے والو!

جاگ اُٹھا ہے پتّا پتّا
غفلت کیسی؟ سونا کیسا!

بادِ سحر کے جھونکے آئے
نکہتِ تر کے جھونکے آئے!

جاگو، پہلو بدل کر دیکھو
اُٹھو! آنکھیں مل کر دیکھو!

صلِّ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پر طور کا عالم

تازہ نوا مُرغانِ چمن ہیں
نغمے جن کے جانِ چمن ہیں

میٹھی بولی بول رہے ہیں
اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں

وجد میں ہیں سب آئے جاتے
حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے

گلشن میں جو نہر ہے جاری
کرتی ہے سجدۂ خالقِ باری

حمد و ثنا کے ترانے گاتی
اپنی جبیں کو ہے گھستی جاتی

نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے
دستِ دُعا شاخوں نے اُٹھائے

ذکرِ خدا میں چمن کی زباں ہے
خار کا ہم کو جس پہ گماں ہے

محوِ یادِ خدا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے

سر بسجود پڑا ہے سبزہ
خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز، دعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا
عابد، شیخ، برہمن جاگے
عارف، زاہد اور پجاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے

وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
جانبِ مسجد و مندر بھاگے
نیند نہیں ہے جن کو پیاری
یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے
تو ہے مسافر اس دنیا میں
وقتِ سحر گر رہ رَو سوئے
چلنے سے ہو اگر وہ غافل

اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
جیسے رہرو اترے سرا میں
غفلت میں گر وقت کو کھوئے
کھوٹی کرے گا اپنی منزل

تجھکو بھی در پیش سفر ہے
جاگ اُٹھ! جاگ اُٹھ! وقتِ سحر ہے

سِرِّ ازل

شاہنشاہ بابر اور گورو نانک دیو کا مکالمہ

(مطبوعہ اخبار رائل گزٹ لاہور ۱۳ نومبر ۱۹۱۳ء)

بابر

ہماری بزمِ عشرت میں جو لے آیا خدا بابا
تو بسم اللہ جامِ بادۂ احمر چڑھا بابا

جہاں میں آبِ رز سے کونسا ہے پاکتر پانی
کہ دُھل جاتا ہو جس سے دفترِ ماؤشما بابا

نہ میخانے کو دیکھا چاہیے چشمِ حقارت سے
کہ ہوتی ہے یہیں سے بیخودی کی ابتدا بابا

نہ یوں ہی میکشوں کو خاک پر بیٹھا ہوا دیکھو
پہنچتی ہے نظر انکی سرِ فوق السما بابا

صدا حق حق کی سنتے ہیں سدا وہ شیشۂ مے سے
اسی سے دل ہیں رندوں کے حقیقت آشنا بابا

صُراحی کھولتی ہے رازِ دل جب بانگِ قلقل سے
فلک سے ہیں پکار اُٹھتے ملائک مرحبا بابا

نہ ہو گر بانگ مستوں کی تو دنیا بزمِ ماتم ہے
ہمارے دم سے کچھ کچھ زندہ ہے رالفنا بابا

غنیمت جان کر صحبت کو اک دو جام پیتا جا
میانِ محفلِ رنداں دُردآشام پیتا جا!

گورونانک دیو

مبارک ہو مئے احمر تجھے صاحبقراں تیری
رکھے بس سُرخرو تجھ کو شرابِ ارغوانی ہی

دلِ فرخندہ تیرا واقفِ رمزِ حقیقت ہے
اگر ہے ترجمانِ دل حقیقت میں زباں تیری

اگر جب کیفیت دل میں ہے کیفِ مے کی حاجت کیا
غرض محفل سے کیا؟ خلوت ہو جب شایانِ شاں تیری

مے انگور پی کر کوئی متوالا ہوا تو کیا؟
نہ آئی دل میں مستی، ہاتھ میں پیالا ہوا تو کیا؟

وہ مے اپنی ہے جس سے بن پیے مخمور رہتے ہیں
خیالِ چشمِ ساقی کے نشے میں چور رہتے ہیں

وہ میکش ہیں کہ خور و ماہ اپنے جام و ساغر ہیں
جو صہبائے مروّق سے سدا بھرپور رہتے ہیں

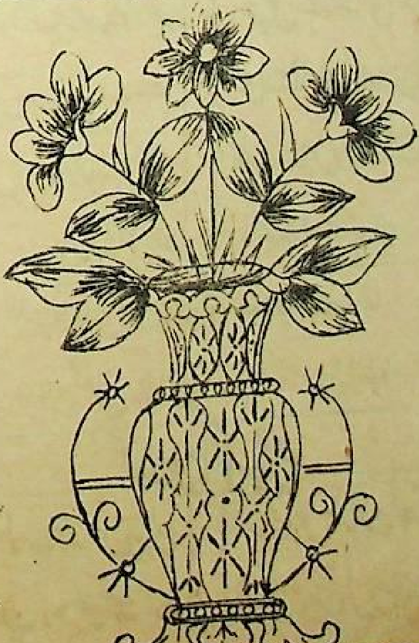
ہمارا دورِ مے ہر ہر نفس کے ساتھ چلتا ہے
اسی سے ہر نفس، ہر لحظہ ہم مسرور رہتے ہیں

کثافت روح میں آلایشِ دنیا سے آتی ہے
شرابِ ظاہری سے اہلِ باطن دور رہتے ہیں

چڑھا دو انکو سولی پر بھی تو حق حق سناتے ہیں
جو عاشق ہیں وہ سرشارِ مئے منصور رہتے ہیں

لنڈھائے ہوں جنہوں نے خُم کے خُم صہبا کے غٹ غٹ کے
کہاں وہ طالبِ افشردۂ انگور رہتے ہیں

مناسب ہے یہی ترکِ مئے انگور کر شاہا!
ہمارے جام سے تھوڑی سی اب منظور کر شاہا!



صحرا

مطبوعہ زمانہ بابت اپریل ومئی سنہ ۱۹۱۴ء

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں — دل کو بہلانے جہاں آتا ہوں میں
دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں — تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں

گو نہیں مجھ کو جنوں، سودا نہیں
تجھ سے بڑھ کر جا کوئی صحرا نہیں

شہر ہے میرے لئے دشتِ جنوں — دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہے آتشِ دنیائے دوں — رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں

آہ! پر تیری نسیمِ خوشگوار
ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریبِ شہر کچھ باغ و چمن — بیگماں ہے دلکشا جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن — طائرانِ خوشنوا ہیں نغمہ زن

بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کے خار
پہلوئے تسکیں کو کرتے ہیں فگار

ہے جو حاصل تیرے دامن میں قرار — وہ کہاں؟ پھرتا رہوں شہر و دیار
خاک تیری مرہمِ قلبِ فگار — سوزنِ زخمِ جگر ہر نوکِ خار

ہے تبِ دنیا اُتر جاتی یہاں
رُوح کچھ کچھ چین ہے پاتی یہاں!

ناقۂ رعنائے لیلائے خیال
دل سے مٹ جاتے ہیں فرقت کے ملال
تجھ میں آتا ہے نظر باصد جمال
تیری محفل ہے مجھے بزمِ وصال
تیری جلوت میں ہے خلوت کا سماں
تیری کثرت میں ہے وحدت کا سماں

دمِ تخیل کا نہیں گھٹتا یہاں
دیکھ کر افکار کی جولانیاں
ہے زمیں پھیلی ہوئی، دُور آسماں
گرد میں ہوتا ہے خود صحرا نہاں
ہے یہاں وسعت خیالوں کیلئے
ہے یہ میداں فکر والوں کے لئے

روبرو ہے ہر طرف ساری زمیں
آہ! جنگل کی فضائے دل نشیں
صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں
گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ ادوارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا
سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا
دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا
لالہ و گل کا کبھی زیور نیا
سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے ماروں کے لئے
دل کی راحت دلفگاروں کے لئے
امن کا گھر بیقراروں کے لئے
الغرض ایسے ہزاروں کے لئے
دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تو
جنت الماوا ہے یا صحرا ہے تو

گنگا جی

(مطبوعہ اخبار ہندو لاہور)

جوش زنِ رحمتِ یزداں ہوئی دریا ہو کر
آئی ہے راہروِ عالمِ بالا ہو کر
بہ چلی عالمِ اجسام میں گنگا ہو کر
رہ گئے کچھ ترے قطرات ثریا ہو کر

عرش اور فرش ہوئے تجھ سے منور گنگا
مظہرِ نورِ ازل ہے تو سراسر گنگا!

نورِ سیال ہے یا جلوۂ رقصاں ہے تو
کس دل آویزی و تیزی سے خراماں ہے تو
حیرت افروزِ دل و دیدۂ حیراں ہے تو
مجھکو حیرت ہے نمایاں ہے کہ پنہاں ہے تو

حسنِ بیتابِ نمائش سے پشیماں کیوں ہے؟
پردۂ رخ ترا جلوہ ہے گریزاں کیوں ہے؟

کیوں گریزاں ہے؟ کہ دنیا کو ضرورت ہے تری
روح کو چین ملے جس سے وہ صورت ہے تری
ماحیٔ ظلمتِ عصیاں ابھی طلعت ہے تری
دافعِ آفتِ آلام محبت ہے تری

یاد آجاتی ہیں جب دم تری گنگا موجیں
مارتا دل میں ہے تقدیس کا دریا موجیں

منزلِ عالمِ اسرار کنارا تیرا
چشمِ جویا کو غنیمت ہے نظارا تیرا
ساحلِ بحرِ حوادث ہے سہارا تیرا
کہ ہے فردوسِ نظر حسنِ دل آرا تیرا

پاک روحوں سے تری انجمن آباد رہے!
نغمۂ اوم سے تیرا چمن آباد رہے!

سندھ کو پیغام

(مطبوعہ مخزن - بابت اپریل ۱۹۰۷ء)

اے رودِ کُرم! بھیجیو پیغام رسانی
جو کچھ کہوں للہ اسے یاد سے کہنا
کہنا کہ مسافر کوئی آوارۂ غربت
جب دُور سے آ جائے نظر سندھ کا پانی
حسرت بھری آواز میں فریاد سے کہنا
دیتا تھا سلام اور یہ کہتا تھا بہ حسرت

اے آبِ اباسین کہ بصد موج رواں ہے
معلوم ہے تجھکو؟ ترا شیدائی کہاں ہے

باچاکِ گریباں وہ کہیں خاک بسر ہے
آتے ہیں اسے یاد ترے سبز کنارے
وہ سبزۂ ساحل کا ترے نرم بچھونا
ساون کی گھٹاؤں کا وہ پھر جھوم کے آنا
طفلی وہ مری، اور وہ معصوم امنگیں
مشغول تری یاد میں با دیدۂ تر ہے
بیچارے کی آہوں سے نکلتے ہیں شرارے
ساون میں مرا زیرِ شجر چین سے سونا
وہ ناچنا موجوں کا، پرندوں کا وہ گانا
اے وائے! وہ دل خوش کن و موہوم امنگیں

وہ کھیلنا میرا تری امواج سے دن بھر
وہ چھیڑ مری بُلبلے کے ناچ سے دن بھر

خورشیدِ جہاں تاب کا وہ چھپ سے نکلنا
نورانی دوپٹے میں کرن کا وہ نکھرنا
تعظیم میں اس کی وہ تری ناصیہ سائی
محروم کا وہ شوق میں بستر سے اچھلنا
سو ناز سے اس کا وہ عروسانہ اترنا
اور ذوقِ تمنا میں وہ آغوش کشائی

وہ چھیڑنا اُس کا تجھے اندر آ کے نہانا
اے سندھ وہ تیرا اُسے چھاتی سے لگانا!

کیا خوب تھے برسات میں قدرت کے نظارے
وہ کونسا قطرہ تھا جو ہستی کو مٹا گئے

کثرت نے دکھائے مجھے وحدت کے نظارے
آگاہ نہ کرتا گیا اسرارِ بقا سے

پھرتا ہوں اسی خوابِ پریشاں میں ابھی تک
نقشے ہیں وہی دیدۂ حیراں میں ابھی تک

اے آہ! وہ بجروں کی روانی کے نظارے
ملّاحوں کے ہیں گیت مجھے یاد ابھی تک

بھولیں گے مجھ کو کبھی پانی کے نظارے
چپکے سے ہے گاتا دلِ ناشاد ابھی تک

قابو سے نکل کشتی کا گرداب میں آنا
ملّاح کی عورت کا کنارے پہ وہ گانا

اللہ بچالے! مرے اللہ بچالے!
او ورطۂ خونخوار! یہ بیداد نہ کرنا
ہاں! المدد اے حضرتِ الیاس بچانا
اس کنج میں خوابیدہ ہو پورب کی ہوا او!

عاجز ہوں میں سب کچھ ہے ترے ہی حوالے
اے میرے خدا مجھ کو تو برباد نہ کرنا
بیکس ہوں بچانا ہے تری آس بچانا
پہنچو مری کشتی کو تمہیں آ کے بچاؤ

تقدیر نے کشتی جو پھنسائی ہے بھنور میں
کشتی مری امید کی آئی ہے بھنور میں!

کنارِ راوی

(مطبوعہ زبان دہلی۔ اگست و ستمبر ۱۹۰۸ء)

غمِ دل آفتِ سماوی ہے
زخمِ پنہاں جگر پہ حاوی ہے
زندگی موت کے مساوی ہے
اشک ریزی جگر ترا وی ہے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

ہم کہاں اور سیرِ باغ کہاں
گلشنِ دہر میں فراغ کہاں
ذوق و شوقِ دل و دماغ کہاں
چین دیتے ہیں دل کے داغ کہاں

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

اڑ چلے طائر آشیانوں کو
نغمے یاد آئے نغمہ خوانوں کو
ملا آرام باغبانوں کو
کیا کروں سن کے میں ترانوں کو

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

خواہ چرندے خواہ چوپائے
خانۂ ویراں کو گھر جو یاد آئے
شوق سے اپنے گھر کو پھر آئے
کیا کرے، ہائے! کوئی بتلائے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

مہرِ تاباں ہوا مائلِ آرام
سوگیا اس کے تن پہ چادرِ شام

کوہِ مغرب میں جا کیا بسرام
اس کے آرام سے مجھے کیا کام

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

آنکھ کھولی ادھر ستاروں نے
گو اشارے کئے ہزاروں نے

جلوے دکھلائے ماہ پاروں نے
آنکھ اُٹھائی نہ غم کے ماروں نے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

جلوے دکھلائے گورے گالوں نے
دل کئے نذر شوق والوں نے

جال پھیلائے کالے بالوں نے
تجھ کو گھیرا مرے خیالوں نے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

کئی بچھڑے ہوئے ملے ہونگے
آرزوؤں کے گُل کھِلے ہونگے

شکوے کچھ ہونگے کچھ گلے ہونگے
دامنِ شوق میں صلے ہونگے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

معبدوں میں چراغ روشن ہیں
کوکبِ شب چراغ روشن ہیں

نورِ مے سے ایاغ روشن ہیں
یا مرے دل کے داغ روشن ہیں

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

بیقراری ہے۔ کیا خبر کیوں ہے
دلفگاری ہے کیا خبر کیوں ہے
آہ و زاری ہے کیا خبر کیوں ہے
اشکباری ہے۔ کیا خبر کیوں ہے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

آہ! اے دردِ نوجوانی - آہ!
کیا ہوئی دل کی شادمانی - آہ!
آہ! اے موت کی نشانی آہ!
ہے کدھر مرگِ ناگہانی - آہ!

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

دلِ وحشی کا مدعا غم ہے
یوں تو دل پر مرے سدا غم ہے
ابتدا غم ہے۔ انتہا غم ہے
غمِ مرگِ پدر نیا غم ہے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

المدد! سیلِ گریۂ خوناب
گلخنِ غم میں ہے دلِ بیتاب
سوزشِ غم سے جل چلا ہوں کباب
کہ تڑپتا ہے صورتِ سیماب

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

عید بھی ہو مجھے محرم ہے
خونفشاں کب سے چشمِ پرنم ہے
میرا سینہ ہے خنجرِ غم ہے
دشتِ غربت ہے شامِ ماتم ہے

شامِ غم ہے کنارِ راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

خواب جہانگیر

(مطبوعہ زمانہ۔ مارچ ۱۹۰۹ء)

مژدۂ عیش نسیمِ سحری لائی ہے
بزمِ قدرت میں عجب شان دکھائی ہے

دوش بر دوشِ صبا نکہتِ گل آئی ہے
وقتِ مینوشی ہے اے شاہ گھٹا چھائی ہے

منتظرِ محفلِ عشرت ہے شہا! جاگ کہیں
اے صبوحی کشِ مستانہ ادا! جاگ کہیں

مستی انگیز ہے کیا حسنِ شباب اے راوی
جاگ! تجھ بن ہے نگوں جامِ حباب اے راوی

مست بیخود ہیں کہ آئی ہے نقابِ راوی
جوئے مے کر دے رواں ہو جو جوابِ راوی

موجِ دریائے طرب موجۂ صہبا ہو جائے
پار مستوں کا ترے نام سے بیڑا ہو جائے

جاگ اے شاہ جہانگیر! جہاں بخشِ جہاں
جاگ اے جانِ جہاں روح و رواں بخشِ جہاں

اے شہِ ملکِ سخا! طبل و نشان بخشِ جہاں
کہ ترا جلوۂ دیدار ہے جان بخشِ جہاں

ایک عالم پئے دیدار چلا آتا ہے
درِ دولت پہ جہاں تیرے کھچا آتا ہے!

آہ طاری ہے یہ کیا خوابِ گراں متوالے
کس تصور میں ہے پھر تو ہے کہاں؟ متوالے!

نہیں سنتا جو رعیت کی فغاں متوالے
دیدۂ خلق سے کیوں ہو گئے نہاں متوالے!

چھوڑ کر تختِ شہی زیرِ زمیں جا سویا!
لی کروٹ بھی نہ صدیوں سے یہ اچھا سویا!

تختِ شاہانہ پہ وہ جلوہ نمائی تیری
جیل بھی ساتھ ترے عدل روائی تیری
ہائے او ظلِ الٰہی! تھی خدائی تیری
ل گئی زنگ میں زنجیرِ طلائی تیری

عدل و انصاف کا تیرے ہے فسانہ باقی
تو ہی باقی ہے نہ اب تیرا زمانہ باقی

تو وہ تھا مست کہ تجھ سا کوئی ہشیار نہ تھا
عہدِ شیخوں میں ترے کوئی بھی نادار نہ تھا
خلقِ خالق سے ہو غافل تو وہ میخوار نہ تھا
دورِ مے تھا ستمِ گردشِ ادوار نہ تھا

جبکہ میخانہ سے مستوں کی دعا اٹھتی تھی
آبِ انگور لئے ساتھ گھٹا اٹھتی تھی

تو نہیں ملک میں لیکن تری شوکت ہے وہی
وہی رنگت ترے پھولوں میں ہے نکہت ہے وہی
سینۂ دشمنِ بداندیش میں ہیبت ہے وہی
بعدِ مردن بھی ترے نام کو عزت ہے وہی

گر تری خاک زیارت کدۂ عالم ہے
تربتِ پاک زیارت کدۂ عالم ہے

نورجہاں کا مزار

(مطبوعہ رسالہ تمدن دہلی بابت جنوری ۱۹۱۲ء)

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
مدت ہوئی، وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے
کہتے ہیں یہ آرام گہِ نورِ جہاں ہے
اٹھتا مگر اب تک سرِ مرقد سے دھواں ہے
جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے ان کی شبِ دیجور کا عالم

اے حسنِ جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے
کیا بن گئے اب کرمکِ شب تاب وہ سارے؟
کس باغ کے گل ہو گئے؟ کس عرش کے تارے
ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے
کیا عالمِ بیچارگی اے تاجوری ہے
غالیچہ سرِ فرش ہے کوئی نہ دری ہے
دن کو یہیں بسرام، یہیں شب بسری ہے
ایسی کسی جوگن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
ہوتی ہو مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر!
آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر!
یہ دورِ زمانہ کے الٹ پھیر یہ اندھیر!
اے گردشِ ایام! یہ اندھیر یہ اندھیر!
ماہِ فلکِ حسن کو یہ برج ملا ہے
اے چرخ تری ہیچ نوازی کا گلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا!
نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا!
ہوتا ہے اثر دل پہ اِن آثار سے کیا کیا!
اُٹھتے ہیں شرر آہِ شرربار سے کیا کیا!

یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارا
ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہُو کا نظارا!

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر
اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے شپّر
آرام لیا کرتے ہیں اِس روضے میں آکر
اُڑ اُڑ کے لگاتے ہیں دَر و بام پہ چکّر

معمور رہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی
آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی!

آراستہ جن کے لئے گلزار و چمن تھے
جو گلرخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے
جو نازکی میں داغ دہ برگِ سمن تھے
شاداب گلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے

پژمردہ وہ گل دب گئے ہو خاک کے نیچے
خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہتے کئے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے
محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے
جو پیکرِ ہستی کے لئے روحِ رواں تھے
تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے

جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
ٹوٹے ہوئے پنجر سے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے دیکھ اے دلِ ناداں
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں
ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفنِ ویراں
آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں

ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے!

ہلالِ عید

(مطبوعہ رسالہ مخزن فروری ۱۹۰۹ء)

دیکھو! دیکھو! وہ میں نے دیکھ لیا
چھپ گیا! چھپ گیا! کہیں دیکھو
وہ جو ہے سامنے شجر، دیکھو!

قلۂ کوہ سے ذرا اونچا!
پھر نظر آئے گا وہیں دیکھو!
اس سے اوپر اٹھا نظر دیکھو!

اے لو! اے لو! وہیں نظر آیا
مژدہ! اے شائقین، نظر آیا!

مرحبا! اے ہلالِ شامِ سعید
مخبرِ صبحِ عیش و عشرتِ عید
مژدۂ عید ایک شب پہلے
پر یہ تھی انتظار کی صورت
تھا تری جستجو میں پیکِ نظر
کر دیا اک کرم کیا تو نے
تو کفیلِ نشاطِ عالم ہے
تو عجب شے ہے میکشوں کے لئے

لے کے آیا ہے تو بشارتِ عید
تجھ سے وابستہ ہے سعادتِ عید
لائے گا جانتے تھے سب پہلے
کہ نہ دیکھی قرار کی صورت
دشتِ بالا میں گرمِ قطعِ سفر
اپنا چہرہ دکھا دیا تو نے
باعثِ انبساطِ عالم ہے
کشتیٔ مے ہے میکشوں کے لئے

دُور سے یہ ترا اشارا ہے
اوج پر عیش کا ستارا ہے!

واہ! اے شاہدِ کماں ابرو
خود نمائی بھی ہے ادا بھی ہے
یہ ترا بانکپن! یہ رعنائی!
ہے سزاوار تجھ کو ناز و غرور
سارا عالم ہے تیرا شیدائی
تھی زمانے کو جستجو تیری

کس ادا سے تنا ہوا ہے تو!
اس پہ پھر کاہشِ حیا بھی ہے
بزمِ بالا میں خلوت آرائی!
کھینچ بیٹھا تو اپنے آپ کو دور
سب کو دیکھا ترا تماشائی!
محفلوں میں تھی گفتگو تیری

چشمِ بد دور! کیا نزاکت ہے
تجھ پہ بارِ نظر بھی آفت ہے!

یوں عیاں ہے شفق کے دامن میں
یا کوئی جیسے خنجرِ نازک
خونِ عاشق سے سرخرو ہو کر
یا کوئی جیسے نقرئی کشتی
اک جہاں اس کا ہو تماشائی
رفتہ رفتہ نظر سے غائب ہو

جیسے مہ رو ہو کوئی گلشن میں
زینتِ دستِ دلبرِ نازک
ناز کرتا ہو اپنی برّش پر
قلزمِ سرخ پر ہو تیر رہی
کرتی جائے وہ بحر پیمائی
تکتے رہ جائیں لوگ سب اسکو

لے لو! سچ مچ وہ صورتِ زورق
ہو گیا گم میانِ شام و شفق!

ماہِ تاباں

(مطبوعہ ادیب - مئی سنہ ۱۹۱۲ء)

چرخ پر کس کا چراغِ انجمن روشن ہوا — نور سے جس کے مرا بیت الحزن روشن ہوا
چاندنی گلگشت کو اتری چمن روشن ہوا — آشیانِ عندلیبِ نغمہ زن روشن ہوا

مرحبا اے ماہِ تاباں حبذا اے چاندنی!
دیر باش اے ماہِ تاباں خوش بیا اے چاندنی!

او مہِ تاباں اتر کب سے تماشائی ہوں میں — تیرے جلووں سے جنوں حد سے سودائی ہوں میں
سر بسر رفتۂ شانِ دل آرائی ہوں میں — حسنِ دلکش کی قسم! تیرا تمنائی ہوں میں

شاہدِ اوجِ فلک! ہاں مسکرائے جا یونہی!
اور مجھ کو پیکرِ حیرت بنائے جا یونہی!

تھا کبھی تو ایک جادو کا کھلونا ہائے ہائے! — وہ نظر آنا ترا، حاصل نہ ہونا ہائے ہائے!
رات کو پہروں مچلنا اور نہ سونا ہائے ہائے! — نیند کی وادی میں آخر تجھ کو کھونا ہائے ہائے

وہ ہجومِ ذوقِ پنہانی دلِ بیتاب میں
تیرے پیچھے اڑ کے جانا آسماں پر خواب میں

تجھ کو خالق نے بنا کر آہ! پتلا نور کا — نور کی خلعت عطا کی اور سراپا نور کا
دے دیا تاروں کا جھومر یعنی گہنا نور کا — اور نورانی گلے کا زیب، ہالا نور کا

حسن والا کونسا تجھ سے کرے گا ہمسری
ماہِ تاباں! اور کچھ ہے تیری شانِ دلبری

روح پرور کس قدر ہے اُف یہ تیری چاندنی
بہ گئے چاندی کے دریا جبکہ نکھری چاندنی

پاک سازِ چشم و دل ہے صاف ستھری چاندنی
پیاری پیاری اُجلی اُجلی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی

موہنی مورت نے پایا کیا مزاجِ نرم ہے
اے حسینانِ تکبر خو! مقامِ شرم ہے

دیکھتا ہے کس نظر سے آہ ہیئت داں تجھے
کیوں بتائے اک معلق گولۂ کوہستاں تجھے؟

ہے بنا دیتا وہ ظالم خطۂ ویراں تجھے
اسکے کہنے سے مگر کیا اے مہِ تاباں تجھے

اسکی باتوں سے تری رونق بھلا کیونکر ہو ماند
یہ مثل ہے "خاک ڈالے سے کہاں چھپتا ہے چاند"

تجھکو یہ الزام بھی ملتا ہے اے روشن عذار
ان کے طعنوں سے نہ کر تو اپنے دل کو داغدار

روشنی مانگی ہوئی ہے حسن تیرا مستعار
ہاں اسی قانون پر ہے سارے عالم کا مدار

وہ بھی لیتا ہے کسی سے جس سے تو لیتا ہے نور
اور ہے وہ نور والا سبکو جو دیتا ہے نور

چاند سورج جسکے لاکھوں ہیں ستارے بیحساب
ہے ضیا جسکی انوکھی حسن جس کا لاجواب

کتنے ساکن انمیں ہیں کتنے ہیں گرمِ شتاب
تیری صورت کے بھی ہیں ان میں کئی اے ماہتاب!

نور کا مخزن ہے اک سبکو دیے جاتا ہے نور
وہ سراپا نور ہے دنیا میں پھیلاتا ہے نور

آہ پھر اس خاکدانِ تیرہ میں ظلمت ہے کیوں؟
بحرِ ہستی میں بپا طوفانِ پُر آفت ہے کیوں؟

سایۂ عصیاں ہے کالی رات کی صورت ہے کیوں
کیوں جہازِ عمر چکر کھاتا ہے؟ یہ ہیبت ہے کیوں؟

کیوں یہ ہیبت ناک چیخیں ہیں؟ یہ کیسا شور ہے؟
بڑھتا جاتا کیوں مصیبت کی گھٹا کا زور ہے؟

تو کدھر ہے آہ اے حسنِ ازل کے ماہتاب
تا کجا اوڑھے رہیگا منہ پہ دامانِ سحاب

خانۂ دل ہو نہ جائے اس اندھیرے میں خراب
ڈالدے کوئی شعاعِ شفقت آلودہ شتاب

تیرے جلوے کاش ہو جائیں قریبِ چشمِ دل
خوابِ غفلت ہو نہ پھر ہرگز نصیبِ چشمِ دل

ترانۂ وحدت

(مطبوعہ آریہ گزٹ لاہور)

ہے نظارہ محوِ حیرت کہ جہاں میں تو ہی تو ہے
کہیں آب ہے گہر میں کہیں گل میں رنگ و بو ہے

تو مہر میں درخشاں تو نجوم میں ہے تاباں
ترا نور ہر طرف ہے ترا جلوہ چار سو ہے

دلِ سنگ میں شرر تو، تو فلک پہ ہے قمر تو
ہے زمیں پہ جلوہ گر تو سرِ آسماں بھی تو ہے

تو ہی بحر میں رواں ہے تو نسیمِ مرغزار ہے
تو یہاں نہیں وہاں ہے یہ فضول گفتگو ہے

ترے شوق میں بہائے ہیں چمن نے اشکِ شبنم
تو ہی سے اسکی رونق ہے اسی کی آبرو ہے

ترے عشق میں ہوا ہے گلِ تر جو چاک داماں
تو اسی لئے چمن میں وہ بہت شگفتہ رو ہے

وہ کرشمہ اب دکھا دے کہ رہے مری زباں پر
"مجھے تیری آرزو ہے" "مجھے تیری آرزو ہے"

محبت کے کرشمے

(مطبوعہ زمانہ کانپور بابت اگست و ستمبر ۱۹۱۱ء)

جانبِ مشرق گئی جب صبحدم خالی نظر
واژگوں اک کاسۂ حسرت فزا تھا آفتاب
دفعتہً مستانہ میں نے اس پہ اک ڈالی نظر
جامِ زرّیں میں چھلکتی تھی محبت کی شراب

آسماں کو میں نے دیکھا پھر نگاہِ غور سے
گنبدِ ویراں نظر آیا وہ نیلے سنگ کا
سر اٹھا کر میں نے دیکھا پھر نرالے طور سے
تھا وہ اک قصرِ طلسمی! جو رنگی رنگ کا

بہ رہا تھا لیکے پانی پست سا اک رہگذر
تنگئ دل کا سبب تھی وسعتِ پہنائے سندھ
آہِ حسرت ناک میں نے کھینچ کر دیکھا اُدھر
یک بیک بحرِ محبت ہو گیا دریائے سندھ

بسکہ مجھ کو آرزوئے منظرِ زیبا رہی
چھان ڈالا میں نے پھر کر پتّا پتّا باغ کا
جاتے جاتے اتّفاقاً اک نظر ایسی پڑی
عکسِ فردوسِ بریں تھا آہ! نقشہ باغ کا

غنچہ و گُل میں ادائے دلبری ایسی نہ تھی
شورِ مہمل عندلیبوں کی تھی ہاؤ ہو مجھے
کھل گئے جب بوئے محبت بھر کے اپنے دل نے دی
گُل نظر آیا نگارستانِ رنگ و بو مجھے

سرِ گلشن کچھ نہ تھا اک سیدھا سادہ پیڑ تھا
کھپ سکا آنکھوں میں کب پہلو کوئی انداز کا
دیدۂ رقص آفریں کا جب کہ جادو چل گیا
چھا گیا اُس پر وہیں عالم خرامِ ناز کا

ہو گیا خورشید اوجھل آنکھ سے اور سر بسر
گرد سی اُڑتی نظر آئی سوادِ شام میں
ہو گیا محروم لیکن چشمِ اُلفت کھول کر
زلفِ جاناں کا تماشائی سوادِ شام میں

محفل آرائے شبستانِ فلک غائب رہا
گرچہ شمعوں کی طرح روشن ستارے ہو گئے
لیکن انجم سے لڑیں جب پیار کی آنکھیں ذرا
انکشافِ راز کو کیا کیا اشارے ہو گئے

اک تماشا اے محبت میں تیری تکتا رہا
صرف کر دیتی ہے ہر اک چیز میں صنعت نئی
تیری آنکھوں سے نظر جس چیز پر ڈالی یہاں
ہو گیا پیشِ نظر جلوہ نیا، رنگت نئی

بدنما چہروں میں بھی تو نے حسن پیدا کر دیا
جلوہ افگن جب ہوئی خال و خطِ انساں میں تو
دل کی ٹھنڈک کے لئے صحرا کو دریا کر دیا
رحمتِ باری ہے دنیائے سقر ساماں میں تو

موہنی

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت جولائی ۱۹۱۰ء)

ہندوستان کے مشہور و معروف مصور راجہ روی ورما کی ایک تصویر پر

ابتدائے آفرینش! جلوۂ صبحِ بہار
جلوۂ حسنِ ازل کی آہ! وہ پہلی جھلک
پتہ پتہ شاخ کا وادیٔ ایمن در بغل
بارشِ حسنِ سکوت آمیز کوہ و دشت پر
حسنِ فطرت کا تقاضا یوں تماشائی سے ہے

روکشِ گلزارِ جنت تختہ ہائے مرغزا
نوعروسانِ چمن کا "آہ وہ پہلا سنگا
ذرہ ذرہ خاک کا سامانِ طور اندر کنا
جیسے ساون میں ہو کم کم ابرِ رحمت کی
"جاں کو کر دیجے فدا، اور دل کو کر دیجے

منظرِ قدرت تو ایسا ہی سہانا ہے، مگر
کون دیکھے؟ دیکھنے والے ہیں محوِ کارزار

دیوتا دیت ہیں مصروفِ جدل اک جگہ میں
کون اب مرتا ہے، یہ فیصلہ آساں نہیں

ہیں بلوتے اس کو اور ہوتا ہے امرت آشک
زندگی اور موت کی سی کشمکش ہے بار

ہو کے منصف دیکھئے، ثالث کہاں سے آئیگا
کون ہے ایسا زمیں پر، آسماں سے آئیگا!

ہے لبِ بحرِ رواں اک گلشنِ خاطر نشیں
سایہ افگن لمبی لمبی دوب پر اشجار ہیں

سبزۂ تر سے زمرد پوش ہے جس کی زمیں
وہ گھنے اشجار جن سے دھوپ چھن سکتی نہیں

اک تناور بڑ کی شاخوں میں ہے جھولا پڑا
وا ہے یا آغوشِ شوقِ عاشقِ اندوہگیں

اور اس جھولے پہ اک مستِ مئے اندازِ حسن
نازپرور نازنیں نازک بدن ناز آفریں

برق طلعت ماہ وش خورشید رو زہرہ جمال
ہے پرستاں کی پری یا حورِ فردوسِ بریں

جھولتی بیٹھی نظر آتی ہے کس انداز سے
ناز سے ڈالے ہوئے ڈوروں پہ دستِ نازنیں

ہے یہ وہ تصویرِ خوبی یہ وہ نقشِ ناز ہے
غرقِ حیرانی ہو جس کو دیکھ کر ارژنگِ چیں

چاند سا چہرہ ادھر اور گیسوئے مشکیں ادھر
ابر کے پردے سے نکلا ہے کوئی ماہِ مبیں

نخلِ رعنائی عیاں ہے ہر عضو ہر انگ سے
اور پھر سب سے ہویدا اک ادائے شرمگیں

ایک ساڑھی زیبِ بر ہے جو گلے سے پاؤں تک
جسمِ گلگوں سے ہوئی داماں گلچیں بالیقیں

ہائے یہ اٹھتی جوانی اور یہ جوبن کا ابھار
ایک ساڑھی میں سمائیں کیونکر حیرت ہے ہمیں

موتیا کے ہاتھ میں گجرے ہیں یا موتی کے ہیں
ہم بتائیں گر نظر جمنے دے حسنِ آتشیں

بڑھ چلا سبزہ کہ وہ پائے نگاریں چوم لے
بوسۂ دستِ حنائی کے لئے شاخیں جھکیں

تازیانہ اور ہوتا ہے سمندِ ناز پر
ہیں بکھر جاتے ہوا میں جبکہ موئے عنبریں

اے صبا جھولے ہوئے آغوشِ حسرت ہے فلک
تھام لے پیڑی کہ ہو جائے نہ کچھ دھوکا کہیں

موہنی ہے نام اس کا کیسا پیارا نام ہے
نام و صورت میں تفاوت نام کو اس جا نہیں

دیکھنے والو ادب سے دیکھنا اسکو کہ ہے
دونوں عالم کے حسینوں سے نرالا یہ حسیں

یہ مقدس نازنیں دیوی ہے حسنِ پاک کی
ہے بجا دھو کے پیئے گر پاؤں اسکے حورِ عیں

جلوہ گر حسنِ حقیقی اس کی صورت میں ہوا
ہیں سبھی خوبانِ عالم جسکی منتی کے رہیں

موہنی اعجازِ حسن اپنا دکھانے آئی ہے
یعنی امرت دیوتاؤں کو پلانے آئی ہے!

عزمِ صحرا

یعنی

یعنی شری رامچندر جی کی بن کو تیاری اور اہلِ اجودھیا کی بیقراری

(مطبوعہ اخبار پرکاش لاہور)

رخصت اجودھیا سے وہ جانِ جہاں ہُوا
پہلو سے دل گیا کہ چلا رام شہر سے

گویا بہار چھوڑ کے صحنِ چمن چلی
آنکھوں سے چہرہ رام کا جب دُور ہو گیا

غم کا غبار لے کے جو آہِ رسا گئی
آہوں میں جو شرار دلوں سے نکل گئے

عالم وہ بجلیوں پہ غضب اضطراب کا
انساں تو خیر صدمۂ غم سے نڈھال تھے

بیگانہ طرزِ رقص سے ہاتھوں میں مور تھے
رگھبر چلے کہ شہرِ خموشاں اودھ ہُوا

صحرا کو رام و لچھمن و سیتا جو چل پڑے
یا اتفاقِ تفرقۂ جسم و جاں ہُوا

بھاگے نکل کے راحت و آرام شہر سے
پر وہ بھی اس طرح نہ کبھی دفعتہً چلی

بلدہ تمام دیدۂ بے نُور ہو گیا
کالی گھٹا سی چرخ پہ گھنگھور چھا گئی

وہ آسماں پہ برق بنے اور مچل گئے
ہائے وہ جوشِ گریۂ پیہم سحاب کا!

وحش و طیُور تک بھی اسیرِ ملال تھے
غم سے پروں میں گردنیں ڈالے جھکے تھے

آباد دشت ہو گیا ویراں اودھ ہُوا!
بیتاب ہو کے لوگ گھروں سے نکل پڑے

زار و قطار روتے ہوئے بیقرار سب　　تھے پیچھے پیچھے رام کے باحالِ زار سب
ہر اہلِ شہر خستہ و زار و نژند تھا　　ہر گھر سے شورِ نالہ و شیون بلند تھا
تھا ارد گرد رتھ کے وہ خلقت کا اژدحام　　گھوڑوں کو گام گام پہ لیتے تھے تھام

کہتے تھے "مر ہی جائیں گے اے پران ناتھ ہم
ہمکو نہ چھوڑ جائیے۔ جائیں گے ساتھ ہم"

یہ حال دیکھ کر ربِ معجز نما سے رام　　گویا ہوئے۔ کہ "اہلِ اجودھیا سنو تمام
جاتا ہوں بن کو میں کہ یہ فرماں ہے باپ کا　　پہنچانے آپ آئے ہیں احساں ہے آپکا
بہلاؤ جا کے دل شہِ پیرانہ سال کا　　کم تا کہ ان کے دل پہ ہو صدمہ ملال کا
تشویش کیا تمہیں کہ بھرت تاجدار ہے　　عالم ہے، رحمدل ہے صداقت شعار ہے
ہے تم پہ فرض اس کی اطاعت بجان و دل　　کرتا ہے جب وہ تم سے محبت بجانِ دل
ہوگی اسے تمہاری اطاعت سے تقویت　　پلتے ہیں شہریار رعیت سے تقویت
پرماتما کے شکر کرو شادماں رہو!　　سر زیرِ منتِ شہِ امن و اماں رہو!

اور میری واپسی کا جو تم کو خیال ہے
یہ ہے خیالِ خام، یہ امرِ محال ہے"

یہ کہکے سارتھی سے اشارہ کیا کہ "ہاں　　لگتی ہے دل پہ چوٹ سی سن سن کے زاریاں
بہتر ہے اس ہجوم سے رتھ کو نکالئے　　اور ہم کو راہِ دشت پہ جیسے ہو ڈالئے"
چلنے سے رتھ کے اور قیامت بپا ہوئی　　یعنی بلند شورشِ آہ و بکا ہوئی
رکھے ہوئے جگر پہ کلیجے پہ ہاتھ سب　　روتے ہوئے روانہ ہوئے رتھ کے ساتھ سب
جو تھے جواں وہ گھیر کے رتھ کو رواں ہوئے　　جو ناتواں ضعیف تھے پیچھے رواں ہوئے
کہتے ہوئے کہ چلتے تو ہم سے خفا ہو رام　　صحرا نورد صورتِ موجِ صبا ہو رام!

یوں تیز تیز کس لئے رتھ کو اڑا چلے
بوڑھوں کو گردِ راہ میں رہبر ملا چلے

لیکن رہے خیال کہ مرنے کے ہم نہیں
یہ زیست ہم کو موت سے بے رام کم نہیں

ہم سر کے بل چلینگے اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
مل جائے کاش موت اگر تجھ سے چھوٹ جائیں

حیرت ہے! آج قفلِ دہن کھولتے نہیں
مہرِ سکوت لب پہ ہے کچھ بولتے نہیں

سنتے نہیں ہو آج برہمن کی التماس
تکریم کا خیال کدھر ہے؟ کہاں ہے پاس؟

اے رام کیا ہوئیں وہ ترے دل کی نرمیاں
کیوں سرد پڑ گئیں وہ محبت کی گرمیاں؟

بیٹھے تھے ہم تو جشن کا ساماں کئے ہوئے
جاتے ہیں آپ عزمِ بیاباں کئے ہوئے

واپس اودھ کو جائیں تو کس منہ سے جائیں ہم
اپنا اودھ وہی ہے جہاں تجھ کو پائیں ہم!

وہ پھول تو ہے جس کی چھبی سے سماں رہا!
لطفِ بہارِ شامِ اودھ اب کہاں رہا!

جنگل اجودھیا ہے تو صتیا دیکھئے!
کچھ بے طرح ہے مائلِ بیداد دیکھئے!

یہ آگ سب اسی کی لگائی ہوئی تو ہے
خلقت تمام اسی کی ستائی ہوئی تو ہے

جسرتھ کا حال غیر، کوشلیا کا حال غیر
تیرے بغیر ساری اجودھیا کا حال غیر!

یوں گرتے اٹھتے بیٹھتے روتے ہوئے تمام
ساعی رہے غریب پئے بازگشتِ رام

ہر چند اپنے جی کو کیا رام نے کڑا
لیکن وہ تھا ہجوم کہ رتھ روکنا پڑا

ٹھہرا جو رتھ تو دل میں وہ سب ہو گئے شاد
کہنے لگے کہ دل کی بر آئی ہے اب مراد

رتھ سے اتر کے رام جو پیدل رواں ہوئے
پھر لوگ محوِ گریہ و آہ و فغاں ہوئے!

دورِ افق پہ گرنے لگے پردہ ہائے شام
تمسا ندی پہ رام نے آ کر کیا قیام

سب کو سلا کے سو گئے ساحل پہ آپ بھی
سوتے ہوئے رہائی کی تجویز سوچ لی

اہل اجودھیا تھکے ماندے تھے سو گئے
قدموں میں آ کے رام کے بےفکر ہو گئے

از بس کہ دوڑ دھوپ سے دن بھر کی چور تھے
سونا ضرور تھا انہیں غافل ضرور تھے!

رگھبر بہت سی رات رہے اٹھ کھڑے ہوئے
جس وقت اہل شہر تھے غافل پڑے ہوئے
راہی ہوئے وہ لیکے اجازت سومنت سے
اور ساتھ ہی کہا یہ سومنت سے
لیجاؤ رتھ اودھ کو مگر ہیر پھیر سے
تا اہل شہر کو نہ مگر کچھ پتا ملے!

سیتا لکھن سمیت وہ دریا کے پار تھے
تلوے تھے آہ! پھول سے اور خار زار تھے



سیتا جی کی فریاد

(مطبوعہ العصر لکھنؤ)

تیرے ترکش میں ابھی تک او کماندارِ قضا!
تیر باقی تھا کوئی مجھ پر چلانے کے لئے

کم تھی وہ صحرا نوردی؟ کم تھے وہ راون کے جور؟
آہ! یہ ایام بھی باقی تھے آنے کے لئے

وہ زمانِ جانگزا جب ہر گلِ باغِ اشوک
شعلۂ نارِ عقوبت تھا جلانے کے لئے

آہ! تھے اس قید میں ساماں جہنم کے تمام
تھی مگر امید دل کو گدگدانے کے لئے

روکتا جاں کو نکلنے سے کہ آئیں گے ضرور
دل سے یوں کہتا کہ ہیں تیار آنیکے لئے

ہائے! میں مجبور اب کس پر رکھوں چشمِ امید
جب ہوئے آمادہ وہ آنکھیں چرانیکے لئے

آنسوؤں کے نہر کیوں جاری ہیں؟ تھمیں! سچ بتا
تو تو لایا تھا مجھے گنگا نہلانے کے لئے

کاش گنگا تو ہمیشہ کیلئے لے لے مجھے
یوں اگر تیار ہے بھی بے بلانے کے لئے

آرزو دو رشیوں کے درشن کی بھی تھی بیشک مجھے
پر نہ تھی تیار اس حالت میں آنے کے لئے

کیا کہوں گی؟ کیوں ہوئی آوارۂ دشتِ بلا
تنگ ہوں آہ! ان کے آستانے کے لئے

داغِ رسوائی جو فرضی دامنِ سیتا پہ ہے
مٹ ہی جاؤں کاش میں اسکے مٹانے کے لئے

ہائے! وہ دل کس طرح مجھ سے مکدر ہو گیا
جو دلِ صافی تھا آئینہ زمانے کے لئے

جاننے والے ہیں وہ اسرار کے اول تو پھر
آتشِ سوزاں تھی کافی آزمانے کے لئے

رام کی خاطر زمانے بھر کو چھوڑا تھا - مگر
آہ! مجھکو رام نے چھوڑا زمانے کے لئے

لب پہ شکوہ رام کا آئے تو کٹ جائے زباں
مجھکو پیدا ہی کیا صدمے اٹھانے کے لئے

بدگماں ہو رام مجھ سے یہ تو ممکن ہی نہ تھا
کسطرح آتا جو کچھ تھا پیش آنے کے لئے

میں نہ چھوڑوں گی نہ چھوڑوں گی خیال رام کو
گو مچلتا ہی رہے دامن چھڑانے کے لئے

آہ! اے صحرا کے پھولو کسلئے ہنستے ہو تم؟
کسلئے ہنستے ہو تم؟ کسکو ہنسانیکے لئے

تم دیکھتے؟ وہ روئے خندانِ رام کا تھا اے گلو!
اب ہنسو گے تم کسی کو خوں رلانیکے لئے

اب نہ وہ سیتا کی آنکھیں ہیں نہ وہ سیتا کا دل
دل ہے خوں ہونیکو آنکھیں خوں بہانیکے لئے

لطفِ گلگشتِ چمن صحرا میں تھا ہمراہِ رام
سبزہ زارو! آئی ہوں اب خاک اڑانیکے لئے

آہ اے بادِ صبا اٹکھیلیوں کے دن گئے
اب چلیگی نسیم تو کسی کی خاک اڑانے کے لئے

دل بڑھے گا کس کا اب کالی گھٹا کو دیکھکر
آئے گی تو آئے گی بجلی گرانے کے لئے

دھرتی ماتا کھولدے آغوشِ الفت کھولدے
ساری دنیا اب ہے مجھکو کاٹ کھانے کیلئے

ہیں کہاں اے آسماں تیرے وہ اندازِ ستم
ٹوٹ پڑ طرزِ جفا کو آزمانے کے لئے

پوچھتی پھرتی ہوں تیرے گھر کو مرگِ ناگہاں
مضطرب ہے آہ بجانِ زار جانے کے لئے

بندرابن کی ایک صبح

مطبوعہ العصر لکھنؤ اگست سنہ ۱۹۱۴ء

آثار عیاں ہوئے سحر کے
ہل چل میں ہے کاروانِ انجم
وہ شب کا سیاہ شامیانہ

ساماں ہونے لگے سفر کے
مغرب کو چلا نشانِ انجم
اب لے کے قمر ہوا روانہ

تارے سب ایک ایک کر کے
آگے پیچھے چلے قمر کے

مشرق میں ہے نور ہلکا ہلکا
صبح بن کر عروسِ تازہ
آئی اور کس ادا سے آئی
چہرہ اس کا وہ یعنی خورشید

طلعت کا ظہور ہلکا ہلکا
آئی مل کر شفق کا غازہ
شانوں پر کاکلیں ملائی
بے پردہ عدوِ حسرتِ دید

ہر چیز کو پرتوِ سحر سے
قدرت نے رنگا ہے رنگِ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اٹھی ہے
کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں
ہے محوِ خرامِ ناز جمنا

پیدا لہروں سے تازگی ہے
ظلمت کو پرے دھکیلتی ہیں
عشاق کی دلنواز جمنا

ساحل پہ دوب دوب پر اوس
جمنا کا لباس مخملی ہے
جنگل کے وہ پھول آہ! خودرو
دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے
طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں
ہرچند ہے دلپذیر جمنا
جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو

مخمل تو ہے دوب اور گہر اوس
اور موتیوں سے لدی ہوئی ہے
بھینی بھینی وہ ان کی خوشبو
اندازِ خرام وہ گلوں کے
یہ مطربِ محفلِ چمن ہیں
کب دل کو مگر یہاں ہے تھمنا
ہے ذوقِ لقائے شام ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنھیا
آرامِ دلِ حزیں کنھیا!

(بانسری کی کوک)

لعلِ معجز نما ہے بنسی
پیدا ہوا اک نفس سے اعجاز
ہر ایک ترانہ دلربا ہے
عالم طاری ہے بیخودی کا
طائر اشجار پر ہیں خاموش
مرغِ تصویر ہر پرندہ
سکتے میں کھڑے ہوئے ہیں آہو
دُم ناچنے کو ہوئی جنبو رہے
اک جذبۂ بیخودی میں آکے

اے لو! وہ شام نے لگا دی
اب اس سے زیادہ کونسا ساز
جنگل نغموں سے گونج اٹھا ہے
نغمہ ساری ہے بانسری کا
محوِ لذاتِ جنتِ گوش
پابزنجیر ہر چرندہ
گویا کوئی کر گیا ہے جادو
پر اپنے سے مور بے خبر ہے
لہراتے ہیں سانپ پھن اٹھا کے

مسحور دہر ایک جانور ہے
جنگل کی ہر ایک بھینس گائے

چیتا یا شیر یا مگر ہے
سکتے میں ہے چپا منہ اٹھائے

جب وحشیوں کا ہوا ہے یہ طور
حالت انساں کی کیوں نہ ہو اور!

گاؤں سارا گوالیوں کا
گویا آباد ہی نہیں ہے
بیکار ہیں جو ابھی تھے مشغول
کھیتوں میں جو ہل چلا رہے تھے
چپ چاپ وہ اب کھڑے ہوئے ہیں
بچے گلیوں میں گھر کے اندر
سب عورتیں مائیں بیویاں سب
ڈالا ہے وہ زیر و بم نے پھندا
جوبن جن پر شباب کا ہے
دل کو ہے یہ بیقرار کرتا
رہ رہ کے ہے دل میں درد اٹھاتا
تھامے ہوئے ہیں جگر کو دل کو

ہے محو سکوت اب کچھ ایسا
خالی انساں سے یہ زمیں ہے
کس شغل میں تھے؟ یہ سب گئے بھول
اور ساتھ ہی گنگنا رہے تھے
گویا کہ وہیں گڑے ہوئے ہیں
ہیں ناچتے بانسری کی لے پر
خاموش ہیں تھیں جہاں جہاں سب
چھوڑے بیٹھی ہیں گھر کا دھندا
یہ نغمہ نہیں تو فتنہ زا ہے
آنکھوں کو ہے اشکبار کرتا
دل کو ہاتھوں سے ہے اڑاتا
سنتی ہیں نوائے متصل کو

جو واقفِ رازِ معرفت ہیں
شنوندۂ سازِ معرفت ہیں

یہ بنسی انہیں بھی ہے رلاتی
پیغام ہے دوست کا سناتی!

رخصتِ سرما

(مطبوعہ زمانہ مارچ ۱۹۱۲ء)

ہیں نکلتی سردیوں کے وہ نظر فریب منظر — کہ پلٹتا مہرِ تاباں بھی سوئے شمال آیا
کھُبی جاتی ہے نظر میں کہ نئی تازگی پہ نیچر — یہ بدل رہا ہے موسم کہ پلٹ رہی ہے کایا

نظر آ گیا کہ سرما کا شباب ڈھل چکا ہے — نظر آتی ورنہ برفِ سرِ کوہ کیوں پگھلتی
جو تھما ہوا تھا پانی وہ سرک کے بہ چلا ہے — جو ندی تھمی ہوئی تھی وہ ذرا ذرا ہے چلتی

نہ صبا میں ہے وہ خنکی نہ نسیم میں ہے ٹھنڈک — کہ دل و جگر کو لگتی ہے یہ خوشگوار ایسی
نہ وہ کڑکڑاتا جاڑا نہ وہ سردیاں ہیں بیشک — یہ بسنت کی ہوا ہے یہ ہے رُت بہار ایسی!

نہ چمن کے رہنے والوں کی وہ زرد وردیاں ہیں — کہ اتر رہا ہے تن سے جو لباس تھا خزانی
نہ بدن کی لاغری ہے نہ وہ شاخ کی زردیاں ہیں — کہ ہر اک شجر کا جوڑا نظر آ رہا ہے دھانی

کہیں پھولتی ہے سرسوں کہیں پھوٹتا ہے سبزہ — نئی کونپلیں نکلتی ہیں کہیں کسی شجر سے
وہ کب آئیگا چمن میں مجھے جس کی ہے تمنّا! — کہیں کر رہی ہے بلبل یہ سوال برگِ تر سے

گل و غنچہ سے بھرے گا وہ چمن کے جیب و داماں | لیے ہیں تیاریوں میں ابھی باغبانِ قدرت
پسِ پردہ ہو رہے ہیں جو بہار کے یہ ساماں | دل و دیں کو لوٹ لیگا وہ دکھا کے شانِ

نکل آئے فصلِ گل کے پکھیرو گھونسلوں سے | کوئی دل میں گونج اٹھینگے بہار کے ترانے
چلی آئینگی مسرت کی صدائیں جنگلوں سے | کوئی شادیوں میں گاتا ہو خوشی کے جیسے گانے

مگر آہ جس چمن کا میں ہوں عندلیبِ نالاں | ہوئیں مدتیں کہ اس میں نہ کبھی بہار آئی
جو گری فلک سے شبنم رہی تا سحر وہ گریاں | جو صبا کہیں سے آئی تو لئے غبار آئی

نوائے بہار

(مطبوعہ اخبار ہندو لاہور)

خوشا بہار و خوشا فصلِ دلکشائے بہار
خوشا مناظرِ جاں بخش و جانفزائے بہار

نہ زندہ کیوں ہو دلِ کشتۂ ادائے بہار
دمِ مسیح ہوئی جنبشِ ہوائے بہار

بہائے اشکِ مسرت نہ کیوں جب آئے بہار
ہے چشمِ حسن نگرِ عاشقِ ادائے بہار

ہر ایک گل شررِ طور ہے بجلوہ گری
کہاں ہے آہ مجھے تابِ جلوہ ہائے بہار

اُترنے قافلہ در قافلہ لگے ہیں پھول
زمیں تمام ہوئی کارواں سرائے بہار

ہجومِ گل سے زمیں پر جگہ نہیں باقی
شفق کے پھول فلک پر نہ کیوں کھلائے بہار

ظہورِ صبح ہے نورِ رخِ عروسِ چمن
سوادِ شام ہے گیسوئے مشکسائے بہار

یہ گہنے پھولوں کے، اور یہ زمردیں لعلِ شناک
ہے برقِ خرمنِ دل حسنِ فتنہ زائے بہار

چمن پہ، دشت پہ، صحرا پہ ایک جوبن ہے
ہر اک فضا میں ہے نیرنگیٔ فضائے بہار

اٹھا رہے ہیں چمن میں بہار کے جلسے
طیور یہ زمزمہ پرداز و خوشنوائے بہار

ترانہ ریز ہے محروم موسمِ گل میں
کہ مثلِ بلبلِ گلشن ہے آشنائے بہار

عِلم

(مطبوعہ رسالہ ادیب بابت جون ۱۹۱۱ء)

رُباعی

بیکار ہے یاں شیوا بیانی اپنی — بے سود ہے اے طبع روانی اپنی
محروم ہے خاموش، قلم ہے ساکت — خود علم سناتا ہے کہانی اپنی

بزمِ جہاں میں ساغرِ آبِ بقا ہوں میں — آزارِ مرگ کیا ہے کہ خاکِ شفا ہوں میں
میرے ہی دم سے ہے گُلِ ہستی میں رنگ و بُو — ابرِ بہار ہوں میں نسیمِ صبا ہوں میں
رونق طلسم خانۂ امکاں کی مجھ سے ہے — ہوں وہ طلسمِ ہوش کہ حیرت فزا ہوں میں
وہ میری گُنگی ہے فدا جس پہ تانگی — دورِ قدیم سے ہوں مگر نت نیا ہوں میں
سب شوخیاں ہیں عالمِ ایجاد میں مری — میرے ہیں سب کرشمے جدھر دیکھتا ہوں میں
سب جانتے ہیں نُورِ جبینِ ازل مجھے — رنگِ ظہورِ خالقِ ارض و سما ہوں میں
عارف کیواسطے ہوں میں خورشیدِ معرفت — برہم زنِ طلسمِ شبِ ماسوا ہوں میں
گمراہ میری راہ پہ ہوتا نہیں کوئی — پرتو دہِ چراغِ طریقِ صفا ہوں میں
مشکل نہیں ہیں راہِ حقیقت کے مرحلے — منزل نہیں ہے دور اگر رہنما ہوں میں

دیتا ہوں بے نشاں کا نشاں کچھ نہ کچھ ضرور
طالب زمانہ جس کا ہے اس کا پتا ہوں میں

ہر چند وہ رسائیٔ دانش سے دور ہے
ہے یہ بھی جاننا کہ نہیں جانتا ہوں میں

میراثِ انبیا مرا مشہور نام ہے
سیدھا سا اک وسیلۂ قربِ خدا ہوں میں

دیتا ہے گو یہ سارے زمانے کو روشنی
رتبے میں آفتاب سے لیکن سوا ہوں میں

اس آفتاب میں تو ہے ظاہر کی روشنی
دراصل آفتابِ حقیقت نما ہوں میں

ظلمت فزائے دل مہ و خورشید ہوں ابھی
چشمِ جہاں سے آج نہاں گر ذرا ہوں میں

میرا وطن نہ پوچھئے مجھ سے کہ صبح و شام
غربت میں مثلِ بادیہ گردِ صبا ہوں میں

اُس سرزمیں پہ کرتا ہوں جب سے قیام بھی
جوہر کی اپنے قدر جہاں دیکھتا ہوں میں

نفرت غرور و کبر سے ہے، کاہلی سے ہے
ان کا جہاں عمل ہو وہاں سے اُٹھا ہوں میں

اس مملکت میں میں نے گزاری ہیں مدتیں
سچ پوچھئے تو ہند میں پیدا ہوا ہوں میں

جنت نشاں یہی ہے پرانا وطن مرا
پروان چڑھا اسی میں اسی میں بڑھا ہوں میں

پالا اسی نے دامنِ شفقت میں ہے مجھے
سائے میں اس کی مہر کے صدقے ہوا ہوں میں

یونان و مصر میں بھی پھرا مدتوں، مگر
جس ملک میں گیا ہوں یہیں سے گیا ہوں میں

گنگا کے یہ کنارے، ہمالہ کی چوٹیاں
تھے میری سیر گاہ انہیں جانتا ہوں میں

یورپ میں آج کل ہیں مرے قدرداں اگر
واں صرف مصرفِ مادۂ بے بقا ہوں میں

بھارت ورش میں جب تھے مرے دن عروج کے
اس وقت کیا تھا آہ مگر آج کیا ہوں میں

جس رنگ میں ہوں خیر وہی رنگ خوب ہے
ظاہر ہوں جس ادا میں بہت دلربا ہوں میں

کچھ ذوقِ دید ہے تو جوانانِ زندہ دل
دیکھو مجھے کہ شاہدِ رنگیں ادا ہوں میں

ویسے مرے نصیب کہاں ہیں حواس کو
مجھ میں وہ رس ہے لاکھ مزوں کا مزا ہوں میں

رکھتا ہوں اپنے طالبِ صادق کو شادکام
مائل کوئی مرا ہے تو اس پہ فدا ہوں میں

رہتا ہوں مثل مردمکِ چشم آنکھ میں
ٹلتا نہیں ہوں دل سے وہ نقشِ وفا ہوں میں

ہر ملک ہر دیار میں عالم کی قدر ہے
سارا زمانہ دوست ہے گر آشنا ہوں میں

بوڑھوں میں رکھتا ہوں میں جوانوں کی آن بان
وہ ہاتھ ناتواں نہیں جس میں عصا ہوں میں

مفلس نہیں رہا کہیں طالب کوئی مرا
ہیں کوہ مرہوں کان گہر کیمیا ہوں میں

اقبال جس کو کہتے ہیں پروردہ ہے مرا
کیا سایۂ ہما ہے ہما کا ہما ہوں میں

یورپ کو دیکھئے کہ ہے دولت سے مالامال
وہ غوطہ زن ہے مجھ میں کہ بحرِ سخا ہوں میں

محتاج ہر ہنر ہے مرا اور ہر ایک فن
میں ابتدا کمال کی ہوں انتہا ہوں میں

خاک آب و باد و آتشِ سرکش بدیں جلال
سب میرے زیرِ حکم ہیں فرمانروا ہوں میں

رستے بنائے ہیں نے پہاڑوں کو چیر کر
ہمدم ذرا جو انجنئیر کا ہوا ہوں میں

مثلِ زمیں بنے ہیں سمندر پہ شاہراہ
بیڑے کو خوف کیا ہے اگر ناخدا ہوں میں

ادنےٰ سا ہے کرشمہ تعجب ہے اسمیں کیا
لے کر اگر بشر کو ہوا میں اڑا ہوں میں

لونڈی ہے میری برق بخارات ہیں غلام
دو لو سے تار ریل کو چلوا رہا ہوں میں

ظاہر نظر فریب ہے باطن ہے دلپذیر
ہر رنگ اور روپ میں جلوہ نما ہوں میں

موجود ہر لباس میں ہوں ہر خیال میں
ہوں شاعری کہیں تو کہیں فلسفا ہوں میں

میں ہوں کہیں نقوشِ ریاضی میں جلوہ گر
منطق کے سلسلوں میں کہیں بولتا ہوں میں

پیدا کردوں میں شکسپیئر اور والمیک
ہے لطف گر معاونِ طبعِ رسا ہوں میں

اظہار امرِ واقعی محروم کر دیا
ورنہ نہ خود فروش نہ کچھ خود نما ہوں میں

مدرسہ کی یاد

(مطبوعہ فانوسِ خیال ٹھانکوٹ۔ جون ۱۹۱۴ء)

یاد آیا میکہ! خوش طفلِ دلِ بیچارہ تھا　　میری امیدوں کا تو اے مدرسہ گہوارہ تھا

آہ! جب میں وقفِ حسرتہائے گوناگوں نہ تھا　　آہ! جب میں وقفِ نیرنگئ گردوں نہ تھا

میری نظروں میں تھی دنیا جب مسرّت کا مقام　　ہاں یہی دنیا جو اب ہے لاکھ عبرت کا مقام

تجھ سے تھا وابستہ میرا روزگارِ خرّمی　　آہ جب ہر صبح تھی صبحِ بہارِ خرّمی

عافیت کا کُنج تھا تو، امن کا گھر تھا مجھے　　تیرا دامن صورتِ آغوشِ مادر تھا مجھے

عندلیبِ خوشنوا تھا، دام سے آزاد تھا　　بیقراریہائے صبح و شام سے آزاد تھا

مثلِ بلبل مجھ کو رہنا جلوۂ گُل کا سرور　　ہلکا ہلکا اُف وہ صہبائے تخیّل کا سرور

زندگی خود موسمِ گُل تھی، بہار آمیز تھی　　انبساط افزا، دلاویز و نشاط انگیز تھی

مجھ سے دنیا اور دنیا کے بکھیڑے دُور تھے　　جن میں ہیبت کا اثر ہے وہ نظارے دور تھے

یوں مرے دل پر مسلط یاس کا عالم نہ تھا　　دل تو تھا پہلو میں لیکن دل پہ کچھ بھی غم نہ تھا

سامنے تھا ہر گھڑی روئے دلآرائے امید
اب کہاں وہ لذّتِ ذوقِ تماشائے امید!

آہ! وہ ایامِ دلکش واپس آ سکتے نہیں　　اور ہم کھوئی ہوئی خوشیوں کو پا سکتے نہیں

طفلی و عہدِ مسرّتہائے طفلی اب کہاں　　ہم کہاں وہ تیرے دیوار و درِ اے مکتب کہاں

ساتھ کے کھیلے ہوئے وہ آشنایانِ عزیز　　یاد جن کی اب بھی ہے فرحت دہِ جانِ عزیز

وہ کہاں اور ہم کہاں اے گردشِ لیل و نہار
یاد وہ بھی کرتے ہونگے آہ ان ایام کو
وہ بھی جن کو تجھ سے اے مکتب ذرا وحشت سی تھی
وہ بھی ہاں خود وہ بھی جو سمجھا کئے زنداں تجھے
کیونکہ دنیا میں میسر گو انہیں عشرت بھی ہو

لے گئی بہتی بہاتی آہ! اس سیلِ روزگار
اور بہلاتے یونہی ہونگے دلِ ناکام کو
اپنی نافہمی کے باعث تجھ سے کچھ نفرت رہی
یاد کرتے ہوں گے اب با دیدۂ گریاں تجھے
اور آزادی بھی ہو عزت بھی ہو شہرت بھی ہو

کس کو مل سکتے ہیں پھر اے مدرسہ طفلی کے دن
خوابِ نوشیں کی وہ راتیں اور بےفکری کے دن

پیامِ شوق

(اپنے ایک دوست مقیم لنڈن کے نام)

(مطبوعہ زمانہ کانپور بابت اپریل ۱۹۱۲ء)

سروِ دلجو! مجھکو حیرت تھی تو کس گلشن میں ہے
آجکل لندن میں ہے ہندوستاں سے دور ہے
دور ہے اور دور بھی اتنا کہ اے پیکِ خیال
راہ میں حائل ہیں کتنے بحر اور کتنے پہاڑ
ختم ہو جاتی ہے مغرب میں جہاں جاکر زمیں
وہ جزیرہ مسکنِ دانشورانِ دہر ہے

ہو گیا معلوم یارے آجکل لندن میں ہے
چشمِ مشتاقِ تماشا وہ یہاں سے دور ہے
تو سریع السیر کتنا ہو رسائی ہے محال
کتنے میداں پُر فضا کتنے بیاباں ہیں اجاڑ
بحرِ اطلانٹک میں چھوٹا سا جزیرہ ہے کہیں
حکمت آموزِ جہاں لندن اک اسکا شہر ہے

مجھ کو جس کی جستجو تھی وہ اسی لندن میں ہے
ہند کا سروِ رواں انگلینڈ کے گلشن میں ہے!

ایکہ! رونق یاب ہیں تجھ سے سفر کی منزلیں
ہمت مردانہ ذوقِ علم دو شہپر ترے
ہو تری پروازِ طلعت بخشِ افلاکِ علوم
شوق سے کسبِ ضیائے آفتابِ علم کر
آکے یورپ سے چمک جا آسمانِ ہند پر

خیریت سے کر گیا طے بحر و بر کی منزلیں؟
لیگئے تجھ کو اڑا کر بن گئے رہبر ترے
راس ہو تجھ کو ہوائے خطۂ پاکِ علوم
اپنی ہستی کو سراپا ماہتابِ علم کر
جسقدر ہو نور برسا خاکدانِ ہند پر

روشنی میں ہو اضافہ تا کہ تیری ذات سے
پار بیڑا ہند کا ہو قلزمِ ظلمات سے!

میرے پیارے ہم سبق بنیے پرانے ہمخیال
دلنشیں صورت تری خاطرنشاں سیرت تری
اے عزیز خاطر احباب! تو شاداں رہے
اپنے ہم چشموں میں حاصل سرخروئی ہو تجھے

محو ہو سکتا نہیں دل سے ترا نقش جمال!
اک امانت دل میں ہے الفت تری عزت تری
اجنبی ملکوں میں تجھ پر سایۂ یزداں رہے
کامیابی کا نظر آئے رخِ نیکو تجھے!

مایۂ نازِ وطن ہو کر وطن میں آئے تو
تو بہارِ جانفزا ہو کر چمن میں آئے تو!

یوں رکھے پہلو میں تو اپنے دلِ پاکیزہ کو
حسنِ انگلستان کے نظّارہ ہائے دلفریب
تیری نظروں میں نہ ہو اعجاز جادو حسن کا

رکھتے ہیں ماں باپ جیسے ہند میں دوشیزہ کو
چھین لے جائیں نہ پہلو سے ترے صبر و شکیب
تو نہ دیکھے لاکھ ہو زرینہ آہو حسن کا

دامِ گیسوئے طلائی میں نہ الجھے دل ترا
تو نہ ہو قائل اگر صیاد ہو مائل ترا!

سنتے ہیں مغرب میں شغل بادہ نوشی ہے بہت
میکشی کا تیری محفل میں نرالا طور ہو
بادہ آجائے گرم تجھ کو کنارِ ٹیمز پر

رونق بازارِ رسمِ عیش کوشی ہے بہت
بادہ حبِّ وطن کا یعنی چلتا دور ہو
اور دو آنسو بڑھا دے جوئبارِ ٹیمز پر

یہ دعائیں ہیں سری ان کو نصیحت مت سمجھ
جذبہ ہائے دل کو سری قابلیت مت سمجھ

سلہ سرو کا لفظ بیان معنی نہیں بلکہ مکتوب الیہ پر بلحاظ قد و قامت صادق آتا ہے
سلہ ماین کے مایا کے ہرن کی طرف اشارہ ہے۔
سلہ دریائے سندھ کا ایک معاون ہے بنوں کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے۔ مکتوب الیہ بنوں کا باشندہ ہے اور محروم کا کلاس فیلو۔

فردوسِ ہند

تضمین بر شعرِ حضرتِ آزادؔ مؤلفِ خمخانۂ عامرہ

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت جولائی ۱۹۰۹ء)

طوبیٰ ہے ایک اک شجرِ گلستانِ ہند — کوثر ہے سلسبیل ہے آبِ روانِ ہند
حور و پری سے کم نہیں گلرخانِ ہند — گر نیست از بہشت فزوں بوستانِ ہند
آدم زناز و نعمتِ جنت چساں گذشت

ہمپایۂ ملائکہ تھے قدسیانِ ہند — شرمندہ سازِ جنتِ ماوے تھی شانِ ہند
کہتے ہیں لوگ اب بھی دمِ امتحانِ ہند — گر نیست از بہشت فزوں بوستانِ ہند
آدم زناز و نعمتِ جنت چساں گذشت

جنت کی آرزو نہ کریں ساکنانِ ہند — مر کر بھی یہ دعا ہو کہ رہئے میانِ ہند
فردوس کیا ہے دوستو پیشِ جنانِ ہند — گر نیست از بہشت فزوں بوستانِ ہند
آدم زناز و نعمتِ جنت چساں گزشت

امامِ ہند

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی کے اشعار پر تضمین

(مطبوعہ زمانہ کانپور۔ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۲ء)

چلتا ہے دورِ بادۂ عرفاں بکامِ ہند
ہیں واقفِ سرورِ ازل خاص و عامِ ہند
بالا ہے بزمِ پیرِ مغاں میں مقامِ ہند
لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند

وہ ہند کے بلند خیالانِ باخبر
رہتی تھی جن کی ہفت سماوات پر نظر
دیکھے پڑے تھے سب زحل و زہرہ و قمر
یہ ہندیوں کی فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اونچا ہے بامِ ہند

دل کو نہ ہونے دیتے تھے شیدائے ننگ و خشت
سرزد ہوا نہ اُن سے کبھی کوئی فعلِ زشت
یہ خطہ اُس زمانے میں تھا واقعی بہشت
اس دیش میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند

جس طرح ماہ و مہر کو ہے آسماں پہ ناز
اور نور پر ہے مہر و مہِ ضوفشاں کو ناز
جس طرح دُرّ و لعل پہ ہے بحر و کاں کو ناز
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند!

پھیلی جو آ کے شمعِ صداقت کی روشنی
باطل کی راہ راہِ عدم ڈھونڈنے لگی
مدت ہوئی گئے ہیں ابھی جھلکیاں وہی
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند

چڑیا کی زاری

مطبوعہ رسالہ زمانہ بابت اپریل ۱۹۰۶ء

اے بدنہاد لڑکے! اے نابکار لڑکے　　یہ کیا کیا؟ خدا کی تجھ پہ ہو مار لڑکے
نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو　　اور موت لیکے خنجر سر پہ ترے کھڑی ہو
ظالم! خدا کرے تو بچپن میں جان کھوئے　　میری طرح سے تیری ماں زار زار روئے
بے رحم! کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا　　نقصان کیا کیا تھا ان بے گھروں نے تیرا؟
موجِ فنا میں ان کو تو نے بہا دیا کیوں؟　　ان کا نشانِ ہستی ظالم! مٹا دیا کیوں؟
ابتک نہ تھے اُنھوں نے سفاک! پر نکالے　　میرے غریب بے پر! میرے وہ بھولے بھالے!
کن کن مصیبتوں سے تھا آشیاں بنایا　　لا لا کے تنکا تنکا تھا گھر یہاں بنایا
وہ گھر کہیں پڑا ہے بچے کہیں پڑے ہیں　　دُور از مکانِ ویراں بیکس مکیں پڑے ہیں
وہ میرے پیارے بچے! لختِ جگر وہ میرے!　　چشم و چراغ میرے! نورِ بصر وہ میرے!
وہ میرا گھر میں آنا! ان کا وہ چہچہانا!　　ان کا وہ لاڈ کرنا! میرا وہ صدقے جانا!
کن کن دکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا　　پڑنا تھا وائے قسمت! اُس پہ بلا سے پالا

مٹی پہ ہائے بیجاں پڑے ہوئے ہیں
کس نیند میں یہ میرے ناداں پڑے ہوئے ہیں!

اے میرے پیارے بچو! ماں تمہاری آئی　　چن چن کے دانہ دانہ خاطر تمہاری لائی
میں نے سحر سے تم کو پانی نہیں پلایا　　اُٹھو کہ اب تمہارے اُٹھنے کا وقت آیا!

خاموش کیوں پڑے ہو منقار جلد کھولو!
کیوں روٹھتے ہو مجھ سے! ہاں کچھ تو منہ سے بولو!

افسوس نسلِ انساں تجھ میں وفا نہیں ہے
تیغِ جفا سدا ہے تیری میاں سے باہر
ہمسائگی میں تیری آکر ہوئے مکیں تھے
سختی تری ستمگر! کتنی ہے بیکسوں پر
غدار! یہ جفائی تیری سرشت میں ہے

کہتے ہیں اُنس جس کو تجھ میں ذرا نہیں ہے
جور و جفا ہیں تیرے حدِ بیاں سے باہر
لچھن ترے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے
یہ جبر بے تحاشا! یہ جور بے بسوں پر
تیرا ہی وتیرہ دنیائے زشت میں ہے

تجھ میں کہاں محبت! جس کا ہے تجھ کو دعوےٰ
تجھ میں کہاں صداقت جس پر ہے نازِ بیجا

نزدیکِ نسلِ انساں ہرگز کوئی نہ آئے
اس میل جول کا گر انجام جانتی میں
جنگل میں جاکے اپنا میں آشیاں بناتی
رہتی ہنسی خوشی سے بچوں کو پالتی میں

اپنے جگر پہ زخمِ تیغِ ستم نہ کھائے
کمبخت دل کا کہنا ہرگز نہ مانتی میں
شاخِ شجر پہ خس کا چھوٹا مکاں بناتی
خطرے میں اپنی جاں کو ہرگز نہ ڈالتی میں

میں ان کو لا کھلاتی جنگل سے جاکے دانے
جب تک نہیں ہوئے تھے کمسن مرے سیانے

مجھ پر ستم ہوا ہے اے جسم و جاں کے مالک!
میں بے زباں ہوں کرتی فریاد تیرے آگے

اے دادگر زمیں کے! اے آسماں کے مالک!
کہتی ہوں اپنے غم کی روداد تیرے آگے

اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا!
میں غم کی ماری چڑیا! میں خستہ جان چڑیا!

مچھلی کی بیتابی

(مطبوعہ اخبار پرکاش لاہور اگست ۱۹۱۱ء)

میری خطا جو تجھ سے کروں التجائے رحم
ظالم! تو وہ نہیں کہ تجھے مجھ پہ آئے رحم

تھے لوگ رحم دل کبھی وہ بھی زمانہ تھا
اٹھ ہی گیا ہے اب تو زمانے سے ہائے رحم

دل میں ہے تیرے جور و جفا رحم کے عوض
آنکھوں میں تیری قہر ہے ظالم بجائے رحم

ہے دام تیرے دوش پہ اور ہاتھ میں چھری
صورت یہ ہو تو کس طرح نزدیک آئے رحم

سینے میں دل کہاں ہے ترے لختِ سنگ ہے
ناواقفِ کرم ہے تو نا آشنائے رحم

تڑپا نہ اب مجھے - مرا قصہ تمام کر
قدرت نے اختیار دیا - قتل عام کر!

مسرور ہو نہ دیکھ کے بیتابیاں مری
سر پنجۂ عذاب میں ظالم دبی ہے جاں مری

اے بدگماں نہ رکھ مجھے الجھا کے دام میں
میں نیم جاں ہوں اب وہ تڑپ ہے کہاں مری

میں رہنے والی آہ تھی دنیائے آب کی
جلتی ہیں گرم ریت پہ اب پسلیاں مری

کیونکر سناؤں حالِ دلِ بیقرار کا
تابِ فغاں مجھے ہے نہ گویا زباں مری

ہو دل میں درد اور سنے گوشِ دل سے تو
صد محشر فغاں ہیں یہ خاموشیاں مری!

تقدیر نے اجازتِ فریاد ہی نہ دی
مجھ کو زبانِ شکوۂ بیداد ہی نہ دی!

گہوارہ مجھ سے چھوٹ گیا موجِ آب کا
باعث نہ مجھ سے پوچھ مرے اضطراب کا!

وہ نرم نرم کائی! وہ مخمل کا فرشِ سبز
خشکی پہ آکے آہ! جھلستا ہے تن مرا
ڈالا مجھے بہشت سے دوزخ میں یک بیک
آبِ رواں نہ رہا مری تقدیر تھی یہی

چھوٹا سا آہ! خیمۂ آبی حباب کا
پیشِ نظر ہے چار سو عالم سراب کا
اے آسماں سبب کوئی اس انقلاب کا!
گرداب غم نہ کر تو مرے پیچ و تاب کا

روتے ہیں میرے غم میں نیقانِ زیرِ آب
بزمِ عزا ہے آہ شبستانِ زیرِ آب

حیرت میں ہوں نہنگِ قضا ہے کہ آدمی؟
پیچھا کیا مرا ملک الموت کی طرح
شفقت بھری یہ شکل۔ یہ کرتوت ہائے ہائے!
اے تف! چھری بغل میں ہے اور منہ میں رام رام
جائیں قدم قدم پہ مسلتا ہے زیرِ پا

جاندار پر یہیں حوانت۔ بلا ہے کہ آدمی؟
پیغامِ مرگ مجھ کو ملا ہے کہ آدمی!
ہنگامۂ خموشِ جفا ہے کہ آدمی!
مجموعۂ فریب و ریا ہے کہ آدمی!
یارب یہ کوئی فتنہ اٹھا ہے کہ آدمی!

سو سو ہزار تیں ہیں جہاں پر بشر ہے ایک
عنقا ہے خیر احمد و بشر آج شر ہے ایک!

مخلوق ہم بھی ہیں اُسی پروردگار کی
انصاف پر اسی کے بھروسا ہمیں بھی ہے
کب تک بھلا چھپائیگی خوں بیگناہ کا
دکھلاؤں گی وہاں دلِ بریاں کا داغ داغ
ہے شکر کی جگہ کہ وہ دن بھی قریب ہے

جس کے کرم پہ ہے نظر امیدوار کی
میزاں ہے جس کے ہاتھ میں وزنِ شمار کی
نیرنگیاں یہ گردشِ لیل و نہار کی
مجھ کو قسم ہے اپنے تنِ داغ دار کی
شاکی بہت ہوں میں ستمِ روزگار کی

کیا جو ترا خدا ہے وہ میرا خدا نہیں!
فریاد رس وہ ملہمِ بے آب کا نہیں!

بلبل کی فریاد

(مطبوعہ ادیب الہ آباد بابت اکتوبر ۱۹۱۲ء)

صیاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانا
پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا

گلشن سے نکالا، قیدِ قفس میں ڈالا
بیدرد کچھ نہ سمجھا، ظالم نے کچھ نہ جانا

آزاد تھا کبھی میں، دلشاد تھا کبھی میں
تھے وہ بھی دن الٰہی! تھا وہ بھی اک زمانہ

روتا ہوں خوں کے آنسو آتا ہے یاد دمبدم
غنچوں کا مسکرانا، پھولوں کا کھلکھلانا

موجِ صبا کا چلنا تھم تھم روشِ روش پر
شاخوں کا جھوم جانا، سبزے کا لہلہانا

وہ جانفزا ہوائیں، وہ دلکشا گھٹائیں
مرغانِ ہمنوا کا ساون کے گیت گانا

بارش کی وہ پھواریں، برسات کی بہاریں
تتلی سی ٹہنیوں پہ وہ جھولنا جھلانا

صحنِ چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں
دل میں سرور آنا، آنکھوں میں نور آنا

وہ شام کے نظارے، جگنو وہ پیارے پیارے
وہ صبح کے ستارے، ان کا وہ جھلملانا

اس قیدِ بیکسی کا کب تھا خیال مجھکو
مل جائیں کاش! واپس وہ ماہ و سال مجھکو

بیرحم کے ستم کی کڑیاں اٹھا رہا ہوں
بیداد سہ رہا ہوں، دکھ درد پا رہا ہوں

مجھ بےزباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا
ہرچند چیخ کر میں دکھڑا سنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں، اور یہ ستمگر
دل میں سمجھ رہا ہے خوش ہو کے گا رہا ہوں

اک آگ سی لگی ہے یادِ وطن کی دل میں
رو رو کے آنسوؤں سے اسکو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں
تن تن کے اڑ رہے ہیں اڑ اڑ کے گا رہے ہیں

میرا نصیب مجھ سے گر سازگار رہتا
میں بھی ترانہ سنجِ فصلِ بہار رہتا!
پھولوں کی انجمن سے آتی اگر نہ دوری
یہ دل مرا نہ ہرگز یوں داغدار رہتا
شبنم کے وہ قطرے نظروں سے گر نہ چھپتے
کیوں زار زار روتا؟ کیوں اشکبار رہتا؟
اس قید سے رہائی ممکن اگر نہیں ہے
میرا بھی کچھ تو چارہ پروردگار رہتا
شاخِ نہال پر یا پنجرا مرا لٹکتا
پنجرے میں یا بجوم سرو و چنار رہتا

پنجرے کا آب و دانہ یا رب بنا ہے زہر مجھ کو
کھانا عذابِ جاں ہے، پینا ہے قہر مجھ کو

اے کاش! جا کے بیٹھوں پھر کنجِ دلنشیں میں
گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمیں میں
سوزِ نہاں بجھاؤں جوئے چمن پہ جا کر
پھر جا ملوں میں اپنے یارانِ ہمنشیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں
اتنا اثر تو یا رب! ہو آہِ آتشیں میں
اجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا
اب کے جو تھا بنایا گلہائے یاسمیں میں

کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن کو جاؤں، اپنے مکاں میں پہنچوں

کولھو کا بیل

(مطبوعہ اخبار پرکاش لاہور)

رہٹ خود بھاری ہے، پھر اس پہ پچھڑ کیسا؟
پٹی آنکھوں پہ مری، دیکھنے والو کیسی؟
کس خطا پر یہ ملاتا ہے ہمیں مٹی میں

جور پر جور، جفا کیش، ستمگر! کیسا؟
ہائے اے گردشِ تقدیر! یہ چکر کیسا؟
آسماں ہم سے ہُوا آہ! مکدّر کیسا؟

بدلے کس دن کے لئے بیل بنا کر ہم کو
اس کو مل جائے گا کیا اتنا ستا کر ہم کو

ختم ہونے نہیں پاتا وہ سفر ہے اپنا
کاش! اسی راہ میں آ پڑتا عدم کا رستہ
ہم جہاں ٹھہرے ذرا، بیٹھ پہ کوڑا سا پڑا

ہم چلے جاتے ہیں دن رات، جگر ہے اپنا
اُلٹا افسوس! نصیبا ہی مگر ہے اپنا
دم کہاں لیتے ہیں، اس میں بھی ضرر ہے اپنا

تیل ٹپکے ہے پڑا کولھو سے قطرہ قطرہ!
خشک ہوتا ہے ادھر لوہو سے قطرہ قطرہ!

مرغزاروں میں نہ جا کر کبھی سبزہ دیکھا
اپنے ہمجنسوں سے جا کر نہ ملے دم بھر کو
چار دیواری ہی تیلی کے گھر کی دیکھی

بہتے دریا کا نہ سرسبز کنارا دیکھا
کھیل دیکھی نہ کبھی، کوئی تماشا دیکھا
اور اس قیدِ دوامی میں بھلا کیا دیکھا

بیل کولھو کے بنائے گئے تقدیر سے ہم
نکلے گردش سے نہ ہرگز کسی تدبیر سے ہم!

تھی یہ تقدیر یہی کام کئے جاتے ہیں
منتظر موت کے مر مر کے جئے جاتے ہیں
لختِ دل کھانیکو ملتا ہے سو کھا لیتے ہیں
خون جبتک کہ جگر میں ہے پئے جاتے ہیں
داورِ روزِ قیامت کے لئے ہم دل پر
داغ بیمہریئے انساں کے لئے جاتے ہیں

کاش اجل جائے کہیں سر سے عذابِ ہستی
ہائے کب تک رہیں ہم زیرِ عتابِ ہستی

کام لیتے ہیں لگا کھانیکو کیا دیتے ہیں
کیسی بیدردی سے خدمت کا صلا دیتے ہیں
دشمنِ اہلِ وفا ہیں یہ کدورت والے
خاک میں رنگِ محبت کو ملا دیتے ہیں
لیکے آجاتے ہیں چھریاں دمِ آخر سر پر
حقِ خدمت کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں

کیسے ظالم ہیں نہ کچھ مزد نہ منت یارب!
کوئی ایسوں کی کرے کسلئے خدمت یارب!

اے اجل! آکہ ہے اک تیرا سہارا ہم کو
تری آنکھوں سے ہے قہر کا اشارا ہم کو
ہائے! تقدیر ہی تھی دشمن جانی اپنی
زندگی دے کے جفا کار نے مارا ہم کو
قیدِ ہستی سے رہائی کا ہو چارا کوئی
اب ہے در کا نہ کچھ گھاس نہ چارا ہم کو

اے خدا! ملکِ عدم میں نہ ہو گو ٹھو کوئی
ہم کو مل جائے نہ پھر آہ! جفا جو کوئی

مارِ آستیں

(مطبوعہ زمانہ کانپور)

تیرا کاٹا بچ نہیں سکتا ہے اے مارِ آستیں!
کارگر تریاق تیرے زہر پر ہوتا نہیں

اشرف المخلوق بن ہوتا ہے تو صورت پذیر
کو بُرا ہے تو نہ جِت کبرا، نہ مارِ یاسمیں

روز و شب رہتی ہے تجھکو اپنے ہمجنسوں کی تاک
آہ! اے سفاک! کچھ پاسِ وفا تجھ کو نہیں

تجھ سے اچھے سانپ گو دشمن ہیں آدم زاد کے
اپنے ہمجنسوں سے لیکن وہ نہیں سرگرمِ کیں

تجھ سے اچھے سانپ جو دشمن ہیں دشمن کی طرح
زہر کو وہ زہر بتلاتے ہیں اور تو انگبیں

تجھ سے اچھے سانپ جو ڈستے نہیں چھیڑے بغیر
حال عدو کو وہ دکھا دیتے ہیں زہر آلود نیش

تجھ سے اچھے سانپ جو ہیں واقفِ حسنِ ازل
مست کر دیتا ہے جن کو جلوۂ ماہِ مبیں

بین کے نغمے سناتے ہیں جنہیں پیغامِ دوست
خوب لہراتے ہیں سُن سُن کر نوائے دلنشیں

مِنتِ خضر باصفا کا ہم کو دیتے ہیں سبق
ہو کے محوِ جستجوئے شاخہائے صندلیں

تجھ سے اچھے سانپ جن کو از رہِ دلبستگی
مو شگافانِ سخن کہتے ہیں زلفِ عنبریں

تو بھی اک مارِ گزندہ، وہ بھی مارِ جانستاں
آستیں میں گھر ہے تیرا، دور وہ خلوت گزیں

اُن سے بڑھکر کاٹنے والا سمجھتا ہوں تجھے
میں تو سو کالوں کا اک کالا سمجھتا ہوں تجھے!

ہو گیا اے ظالم! راہ و رسمِ وفا سے بے نیاز
دستِ جور اپنے ہوا خواہوں پہ کرتا ہے دراز

کھیلتا ہے آہ! جن ہاتھوں پہ ان کو کاٹ کر
تیری باتوں میں تملق، تیری گھاتوں میں فساد
خم بخم ہیں تیری چالیں مارِ پیچاں کی طرح
راستی تجھ میں نہیں ہے کیونکہ تو اک سانپ ہے
کاٹ لیتا ہے اسے وہ پھونک دیتا ہے اسے
تیرے پھن میں آہ! اے ظالم غرض کا زہر ہے
بیچ ہی ڈالا اسے بدباطنوں کے ہاتھ حیف!
داستانِ چاہِ یوسف جب سے دنیا میں چھڑی
کون بتلائے کہ سرہنگانِ دارا کون تھے

ہاتھ کیا آتا ہے تیرے اے اسیرِ بندِ آز!
تو بباطن دشمنِ جاں، اور بظاہر دلنواز
ہائے تیرے جوڑ توڑ اے وائے تیرے ساز باز
سانپ بھی ایسا کہ ہو پھنکار جس کی جانگداز
دوست دشمن میں نہیں ہے تجھ کو ظالم امتیاز
تیرے حیلے ہیں برے، سم کی قسم اے حیلہ ساز
جس کے قدموں پہ ادا کی تھی یوحنا نے نماز
بھائی کو بھائی کی ہمدردی پہ زیبا ہے ناز
کھول مارِ آستیں کچھ فتحِ اسکندر کا راز

تو نہ ہے گیسوئے مشکیں، تو نہ زلفِ عنبریں
تیرا سودا ہو جہاں میں کس کو، مارِ آستیں!

شراب

(مطبوعہ رسالہ پرہیزگار لاہور۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء)

فریبِ دہر نے تدبیرِ جانستانی کی
کہ شکل آگ نے کی اختیار پانی کی

ہوئے بلاکشِ مستی سرور کے جویا
کبابِ نارِ جہنم ہیں نُور کے جویا

یہ آب وہ ہے کہ جس کے حباب شعلے ہیں
یہی تو آتشِ مے کے حباب شعلے ہیں

جگر کو جان کو دل کو جلا کے چھوڑتی ہے
بشر کو کوئلہ آخر بنا کے چھوڑتی ہے

جلا کے جوہرِ ادراک کو دھواں کردے
دماغ کو وہ اُبالے کہ نیم جاں کردے

مقامِ حیف ہے۔ انکی یہ ابلہی! افسوس!
کہ آگ سے ہیں بجھاتے یہ تشنگی افسوس!

نہ حور ہے، نہ یہ کوئی پری ہے شیشے میں
ہے خیال کہ آتش بھری ہے شیشے میں

ذلیل کرتی ہیں آخر شرارتیں اس کی
یہیں دکھاتی ہیں دوزخ حرارتیں اس کی

بن آئی مرتے ہیں اکثر جو اس پہ مرتے ہیں
جہاں سے عینِ جوانی میں وہ گزرتے ہیں

نہیں ہے پھول یہ ہرگز ہزار گلگوں ہو
کہیں نہ ذوق بہارِ شباب کا خوں ہو!

عدوِ آبرو و ننگ محض نام اس کا
سنے نہ کوئی شرارت بھرا پیام اس کا

یہی بناتی ہے دیوانہ ہوشیاروں کو
گلی گلی میں گراتی ہے وضعداروں کو

یہ سر پہ جن کی طرح جب سوار ہوتی ہے
ہزار ہو کوئی عاقل تمیز کھوتی ہے

ہم اس کو مایۂ فسق و فجور کہتے ہیں
جو بات کہنے کی ہے وہ ضرور کہتے ہیں

اگر ہے تلخ تو سم سے بُری ہے مشفق من!
اگر ہے میٹھی تو میٹھی چھری ہے مشفق من!

ہجوِ مے

(مطبوعہ ٹمپرنس میگزین امرت سر)

آبِ رز میں میکشو! زہراب کی تاثیر ہے
موت خوابِ مستئ رندانہ کی تعبیر ہے

خندۂ جامِ پُر از مے خندۂ تقدیر ہے
قُلقلِ مینا پیامِ نالۂ شبگیر ہے

جامۂ رسوائی تن پر سر پہ ہے لعنت کا تاج
تیرگی منہ پر ہے یہ میخوار کی تصویر ہے

بوالہوس! اکسیر ہے بیشک شرابِ ارغواں
خاک کر دیتی ہے زر کو ہاں عجب اکسیر ہے

ہے بزرگی بخشِ مے قرباں ترے پیرِ مغاں
گر ہے اسکو جواں دو چار دن میں پیر ہے

چیر دیتی ہے جگر کو ٹکڑے کر دیتی ہے دل
یہ کوئی خنجر ہے یا شمشیر ہے یا تیر ہے؟

کیوں عذابِ بادہ خواری ہند پر نازل ہوا
اے فلک! ہے کیا خطا؟ کیا جرم؟ کیا تقصیر ہے

صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا جوں حرفِ غلط
دل پہ لکھ رکھ بادہ کش! محروم کی تحریر ہے

موت

(مطبوعہ رسالہ زبان دہلی بابت ستمبر ۱۹۰۹ء)

اے موت! جور سے ترے نالاں زمانہ ہے
روزِ ازل سے طور ترا قاتلانہ ہے
جو قافلہ ہے یاں سے عدم کو روانہ ہے
عالم یہ تیرے تیرِ ستم کا نشانہ ہے
خوں سے لکھا ہوا ہے جو تیرا فسانہ ہے
ہر اک کا تیری راہ میں لُٹتا خزانہ ہے

برباد سازِ رونقِ بزمِ جہاں ہے تو
اے موت غایتِ ستمِ آسماں ہے تو!

اے موت! بحر و بر پہ ہے سکّہ رواں ترا
راہِ جفا پہ کوئی نہیں ہم عناں ترا
کچھ کچھ شریکِ جور ہے گو آسماں ترا
ظالم! مطیعِ حکم ہے سارا جہاں ترا
توسن رواں ہے صورتِ برقِ تپاں ترا
لیکن وہ دوں خصال بھی ثانی کہاں ترا

تو پھول توڑ لیتی ہے اسکے چمن سے بھی
ہر صبح ہے رُخِ مہ و انجم پہ مُردنی!

تیغِ ستم سے تیری کسی کو اماں نہیں
تجھکو ذرا غمِ اہلِ جہاں نہیں
تجھ سے بچا کوئی چمن و گلستاں نہیں
تجھکو تمیزِ طفلک و پیر و جواں نہیں
کچھ دل میں تیرے رحم و کرم کا نشاں نہیں
تو برقِ بیخ سوز ہے بادِ خزاں نہیں

اک بار تو گرے جو کسی نونہال پر
آئے نہ سو بہاریں وہ اپنے حال پر

ماتم کدہ یہ دہر جو ہے تیرے دم سے ہے
دریائے غم میں لہر جو ہے تیرے دم سے ہے
امرت جہاں میں زہر جو ہے تیرے دم سے ہے

ویراں ہر ایک شہر جو ہے تیرے دم سے ہے
نالوں میں لہر بہر جو ہے تیرے دم سے ہے
جینا خدا کا قہر جو ہے تیرے دم سے ہے

جو دل ہے تیرے داغ سے یاں لالہ زار ہے
ماہی سے ماہ تک جو ہے سو داغدار ہے!

دنیا سے کیسے کیسے اُٹھے گلعذار حیف!
کیا کیا سمندِ ناز کے تھے شہسوار حیف!
اب ہے دمن نہ لیلئ الفت شعار حیف!

تھی جنکے دم سے رونق فصلِ بہار حیف!
اے موت! تو نے سب کا اڑایا غبار حیف!
ڈھونڈے سے بھی ملیگا نہ ان کا مزار حیف!

سنتے ہیں آج جنکے فسانوں کو ہم غریب
نالاں ترے ستم سے گئے وہ ستم نصیب!

کیا کیا نہ دل میں حسرت و ارمان لیگئے
عقبےٰ تمام مشکل و آسان لے گئے
جب لوگ ان کو پھونکنے شمشان لے گئے

پہلو میں آرزوؤں کے پیکان لے گئے
محفلِ عدم کے سینکڑوں سامان لے گئے
یا گاڑنے کو سوئے بیابان لے گئے

ماتم تھا آرزو کا جنازے کے ساتھ ساتھ!
تھا شور ہاؤ ہو کا جنازے کے ساتھ ساتھ!

مارا کسی غریب کو تو نے وطن سے دور
لاشہ کوئی پڑا ہے مزار و کفن سے دور
پھولوں کی آہ ناز بھری انجمن سے دور

ماں باپ سے بہت پرے بھائی بہن سے دور
دستِ صدائے شیون و شورِ محن سے دور
گھونٹا گلا ہزار کا صحنِ چمن سے دور

گھیرا کسی کو ورطۂ دریا کے درمیاں
پھانسا کسی کو دامنِ صحرا کے درمیاں

اے موت! جنکا قد بسے تا قطب آج تھا
ہم رفعتِ کلاہِ فلک جن کا تاج تھا
قانون جن کا لفظِ اشارہ رواج تھا
خورشید طشتِ زر جنہیں دیتا خراج تھا
با صد شکوہ زیرِ قدم تختِ عاج تھا
والا حشم کوئی، کوئی عالی مزاج تھا

ان کو بھی تو نے تخت سے پھینکا اتار کے
آئی دباؤ میں نہ کسی شہریار کے!

رستم کا اب نشاں ہے نہ اسفندیار کا
سنتے ہیں ذکر ان جنگِ گردوں وقار کا
ہنگامہ جس سے گرم رہا کارزار کا
ملتا نہیں پتا کہیں ان کے مزار کا
تھا نام ایک منتخبِ روزگار کا
اک تیر چیرتا تھا کلیجہ ہزار کا

آخر نشانہ ہو کے رہا تیرے بان کا
تو نے ہی خاتمہ کیا تیر و کمان کا!

ہے غم سے جاں بلب کوئی ہجراں نصیب آہ!
روتا تڑپ تڑپ کے ہے بیکس غریب آہ!
اے موت! تیرے کام ہیں کتنے عجیب آہ!
تو لے گئی ہے پہلو سے جس کا حبیب آہ!
آزارِ ہجر کا نہیں کوئی طبیب، آہ!
مارا ہے اس غریب کو بنکر رقیب، آہ!

جس دن سے تو نے اس سے کیا ہمنشیں جدا
ہوتی ہی چشمِ تر سے نہیں آستیں جدا!

تو جس کا بچہ لے گئی اس ماں کا حال دیکھ
اے موت! دیکھ طولِ زمانِ ملال دیکھ
ایسی بھی عمر دوں کی کہیں ہے مثال دیکھ
جاری ہیں اشک اگرچہ ہوئے ماہ و سال دیکھ
اب تک لٹے ہیں لکھے سب اس کے بال دیکھ
ہر وقت رونے دھونے سے آنکھیں لال دیکھ

نورِ نظر کے غم میں یہ اتنا جو روئے گی
آنکھیں تو خیر، جان کو اک روز کھوئے گی!

اے موت! آہ تیرے ستائے ہوئے یتیم
وہ سیلِ اشکِ خوں میں نہائے ہوئے یتیم
دورِ پدر سے خاک پہ آئے ہوئے یتیم
نقشِ غلط کی طرح مٹائے ہوئے یتیم
سوزِ غمِ نہاں کے جلائے ہوئے یتیم
گودی سے ماں کی وا! بچھڑائے ہوئے یتیم

روتے ہیں اور دیتے ہیں رو رو دعا تجھے
ان کو رُلا کے موت! بھلا کیا ملا تجھے؟

عاشق کو آ کے حسن کا جلوہ دکھا گئی
پروانے کے شکار کو شمعیں جلا گئی
جھونکوں میں جب سموم کے ظالم سما گئی
دل آ گیا کسی پہ تو بس موت آ گئی
گل بہرِ عندلیب چمن میں کھلا گئی
دم میں بہارِ باغ ہنستے گل کو بجھا گئی

صیّاد بن کے مرغِ چمن زاد پر گری
اور برق ہو کے خانۂ صیّاد پر گری

اے موت! امرت ڈرا مجھے۔ مجھکو فنا نہیں!
کچھ ابتدا نہیں ہے مری انتہا نہیں
تیری رسائی جسم سے آگے ذرا نہیں
جلنے کا مجھ پہ نام کو جادو ترا نہیں
مر رہا ہوں تجھسے چھیڑ کی لینا بجا نہیں
ہاں جسم تیرا مال ہے بیشک مرا نہیں

شمشان! تیری آگ مجھے کب جلا سکے
آغوشِ قبر تو مجھے کیونکر دبا سکے!

انجامِ گُل

(مطبوعہ رسالہ زمانہ۔ کانپور۔ بابت جنوری ۱۹۱۴ء)

کل تک تو چمن میں ہنس رہا تھا
وہ خندۂ عجیب جانفزا تھا
شیدائی تھے سب طیورِ گلشن
ہر نغمۂ خوش تری ثنا تھا
بلبل کا تو خاص رشتۂ جاں
ہستی سے تری بندھا ہُوا تھا
مطلب نہیں اس سے ہم کو اے گُل!
شیوہ ترا لطف یا جفا تھا
معشوق تھا بےنظیر و رعنا
تو شاہدِ شکریں ادا تھا
غارتگرِ ہوش و صبر و تمکیں
عالم تیرے شباب کا تھا
خوبانِ جہاں کا ہے یہ آئین
یہ عیب نہیں کہ خود نما تھا
ظالم کے نہ دل میں رحم آیا
گلچیں ترے واسطے قضا تھا

کِتنا، اے شاہدِ دل آرام!
آغاز سے مختلف ہے انجام

کس حال میں آہ! آج تُو ہے
وہ خوبیٔ رنگ ہے۔ نہ بُو ہے
بکھری ہوئی چند پتّیاں ہیں
نکہت آوارہ سو بسُو ہے
اے گُل! وہ ادائیں اب کہاں ہیں
بُلبُل اب بھی تو رُوبرو ہے
مُنہ بولتے اُف! وہ ناز تیرے
اب بزم تری مقامِ ہُو ہے

کیوں خاک بسر ہے روئے بر خاک
گل تک شیدا تھا اک زمانہ
سب آبرو آب و تاب تک ہے
آغازِ گل اور اس کا انجام

حسنِ رفتہ کی جستجو ہے؟
بیگانگی آج سب کی خو ہے
یہ دہرِ طلسمِ رنگ و بو ہے
حالت یہی سب کی ہو بہو ہے

آغاز ہے دلنواز سب کا
انجام ہے جانگداز سب کا!

آغاز مہِ مسرتِ تام
آغاز شگفتنِ گلِ نو
آغاز طلوعِ صبحِ انور
آغاز نگاہِ لطفِ ساقی
آغاز وہ عہد ہے کہ جس کا
انجام وہ دور ہے کہ جس کو
آغاز ہوئے شوقِ پرواز
آغاز وہ ہے کہ ہائے آغاز!

انجام شبِ سیاہِ آلام
انجام فشارِ حسنِ گلفام
انجام سوادِ آمدِ شام
انجام شکستِ شیشۂ جام
سب جانتے ہیں طفولیت نام
کہتے ہیں بدترینِ ایام
انجام فریبِ دانہ و دام
انجام وہ ہے کہ وائے انجام!

آغاز و انجام دیکھ گل کا
نقشہ یہی جان جزو و کل کا!

شمعِ سحر

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور - بابت جنوری ۱۹۰۹ء)

محفل کا رنگ اُڑنے لگا شب بسر ہوئی
آخر حیاتِ شمع چراغِ سحر ہوئی
بزمِ نجوم چرخ پہ زیر و زبر ہوئی
منہ فق ہے رنگ زرد ہے حالت ابتر ہوئی

کرتا جہاں سے کوچ ہے گویا حسیں کوئی
بیمار لے رہا ہے دمِ واپسیں کوئی!

چہرے پہ مُردنی ہے کہاں ہے بہارِ حُسن
چمکا کبھی جہاں میں نہ بجھ کر شرارِ حُسن
مثلِ بقائے گُل نہیں کچھ اعتبارِ حُسن
افسردگیٔ شمع ہے انجامِ کارِ حُسن

مانندِ عشق حُسن بھی حسرت مآل ہے
شمعِ سحر کو دیکھ لو روشن مثال ہے!

گزری شبِ عروج یہ صبحِ زوال ہے
سیلاب تا کمر ہے یہ اشکوں کا حال ہے
تھا رات کو جو بدر وہی اب ہلال ہے
دھونا مگر نوشتِ جبیں کا محال ہے

بیتاب ہو رہی ہے اکیلی کھڑی ہوئی
قسمت کو رو رہی ہے اکیلی کھڑی ہوئی!

آنکھوں میں رنگِ محفلِ سوز و گداز ہے
کہتی ہے دل میں مٹنے وجودِ دل کا راز ہے
دل کو جلاتی یادِ شبِ سوز و ساز ہے
یعنی فسانۂ غمِ ہستی دراز ہے!

سر پر اجل ہے، فرصتِ گفتار کسکو ہے؟
جاں پر بنی ہے، طاقتِ گفتار کسکو ہے؟

حسرت برس رہی ہے رُخِ رشکِ ماہ پر
بجلی گرائی صبح کی اک بیگناہ پر

حیرت نثار ہوتی ہے اک اک نگاہ پر
ہے داغ تازہ دامنِ چرخِ سیاہ پر

تاراج ہو گیا چمنِ حسن و عشق حیف!
برہم ہوئی ہے انجمنِ حسن و عشق حیف!

نخلِ مرادِ شمع جو شب گلفشاں رہا
جبتک زبانِ شمع میں لطفِ بیاں رہا

محفل میں جوشِ خندۂ گل کا سماں رہا
باغ و چمن میں خشک دمِ طائراں رہا

اب ہے وفورِ نور، نہ جلوہ نمائیاں
کسطرح منہ پہ چھٹنے لگی ہیں ہوائیاں!

پروانے جنکی خاک سے ظاہر ہے شانِ عشق
گر شوق ہو تو کیجئے سیرِ جہانِ عشق

مضطر تھے آہ! کب سے پئے امتحانِ عشق
کیا کیا ہیں بے مزار و کفن کشتگانِ عشق

بڑھ کر ہے اگنی بان سے بھی عشق کا خدنگ
کشتوں کے پشتے لگ گئے بے تیر و بے تفنگ!

اے شمع! تیری رونقِ بازار کیا ہوئی
وہ آب و تابِ جلوۂ رخسار کیا ہوئی

گرمیٔ ذوق و شوقِ خریدار کیا ہوئی؟
وہ شب کدھر، وہ بزمِ پر انوار کیا ہوئی؟

کیا ہو گئے وہ ناز، وہ انداز کیا ہوئے؟
وہ تھے نچھے عاشقِ جانباز کیا ہوئے؟

شب بھر غریب تختۂ مشقِ ستم رہے
مر کر بھی راہِ عشق میں ثابت قدم رہے

لیکن امیدوارِ نگاہِ کرم رہے
جلکر گرے تو یار کے پاؤں پہ تھم رہے!

ہیں عربانیاں فلکِ دوں نواز کی
یوں منتشر ہو خاک شہیدانِ ناز کی!

یکسر فغاں طیورِ سحر کی نوا زنی — نغمے تمام نالے ہیں ہنگامِ جاں کنی
بگڑا تمام کھیل نہایت بری بنی — دل میں ہجومِ یاس ہے صورت پہ مردنی

دامانِ شوق کھول کے گلگیر رہ گیا!
صورت یہ دیکھ صورتِ تصویر رہ گیا!

کشتیٔ عمرِ شمع پہ آفت بپا ہوئی — بادِ نسیمِ صبح مخالف ہوا ہوئی
بیچاری جلد نذرِ محیطِ فنا ہوئی — اِک شب کی زندگی جو ہوئی بھی تو کیا ہوئی

محروم حالِ شمعِ سحر غیر ہو گیا
ہوتے ہی صبح خاتمہ بالخیر ہو گیا!

سرورِ جہاں آبادی

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء)

اے سرورِ نکتہ داں! اے شاعرِ رنگیں بیاں
بزمِ رازِ عالمِ بالا کا ہے تو رازداں
اک گلریزی سے تیری ہند ہے باغِ جناں
تیرے نغموں پر لگے رہتے ہیں گوشِ قدسیاں
حق نے بخشا ہے تجھے جاں بخش اعجازِ سخن
چٹکیاں لیتا ہے دل میں تیرا اندازِ سخن!

سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری گفتار میں
گل کو نکہت تیری رنگینی سے ہے گلزار میں
معنئے تاثیر پنہاں ہیں ترے اشعار میں
تیری طبعِ موج زا کی موج ہے انہار میں
ہر نفس میں ہے ترے کیا کیا مسیحا پروری
ہند کو حاصل ہے چوتھے آسماں پر برتری!

شاہدِ مضموں میں تیرے شوخئ جانانہ ہے
شمعِ معنی پہ تری بزمِ سخن پروانہ ہے
ہر ادا مستانہ ہے ہر ناز معشوقانہ ہے
داستاں جو ہے دلِ پُرسوز کا افسانہ ہے
ہوک اٹھتی ہے جگر سے تیری اک اک آہ پر
تیر سے آ کر برستے ہیں دلِ آگاہ پر!

شاہدِ نیچر کا حسنِ جانفزا دیکھے کوئی
سازِ بزمِ راز کی سنکر صدا دیکھے کوئی
یا تری تحریر میں تیری ادا دیکھے کوئی
ہے یہ کس کا نغمۂ رنگیں ذرا دیکھے کوئی

"نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"

سامعۂ بزمِ سخن کے گو ہیں متوالے بہت
روتے ہیں چھم چھم دلوں میں پھوٹ کر چھالے بہت

ہیں عروسِ شاعری کے چاہنے والے بہت
اُٹھتے ہیں دستِ دعا بن کر کئی نالے بہت

ہے مگر وہ شاہدِ رعنا ترے آغوش میں
جوششِ گریہ کا عالم غیر کے سرجوش میں!

حُسنِ معنی کی جھلک جلوہ ہے برقِ طور کا
نت نیا پردہ اُٹھا کر طلعتِ مستور کا

طبعِ روشن سے تری روشن ہے معنیٰ دور کا
اہلِ عالم کو دکھاتا ہے تماشا نور کا

دل ترا ہے یا کہ ہے گنجینۂ اسرارِ حق
یہ زباں ہے یا کہ ہے آئینۂ اسرارِ حق

جو طبیعت میں تری ہے گل میں رنگینی کہاں
نکتہ چینوں کے لئے جائے سخن چینی کہاں

شعرِ نازک کو ترے پہنچے بتِ چینی کہاں
مجمعِ خوبی ہے تو بدبین و بدبینی کہاں

نثر پر تیری کروں عقدِ ثریا کو نثار
نظم پر قرباں تری صد سلکِ دُرِّ شاہوار

ہے ترے نغموں سے باقی ہند میں شانِ سخن
اے سرورِ نغمہ بار اے ابرِ نیسانِ سخن

ہو قیامت تک نئے یوسف یہ کنعانِ سخن
ہے ترشح سے ترے سرسبز بستانِ سخن

کلکِ گُل افشاں ترا کر لے اگر عزمِ نشاط
ہند کی اُجڑی ہوئی نگری ہو پھر بزمِ نشاط!

مرگِ عظمت پر نیا ماتم بپا بھارت میں ہے
ماری ماری آہ پھرتی ہے عجب آفت میں ہے

رونا دھونا شاعرانِ ہند کی قسمت میں ہے
حاجبِ بابِ اجابت نشۂ غفلت میں ہے

کارواں نالوں کا بھیجیں کر کے اک تیار ہم
تیرے نالوں کو بنا دیں کارواں سالار ہم!

تجھ کو زیبا نازشِ بے حد جہاں آباد ہے
کیا مبارک شہر ہے تو وہ جہاں آباد ہے

تجھ میں ایسا مایۂ فخرِ جہاں آباد ہے
دم سے جس کے نظمِ اردو کا جہاں آباد ہے

تیری گلیوں میں جو کوئی جلوہ پیرائی کرے
کیوں طواف آ کر نہ کوئی تیرا شیدائی کرے!

دہر میں جبتک بوئے گلہائے فن باقی رہے
مایہ دارِ رونقِ بزمِ سخن باقی رہے

نظمِ اردو کا پھلا پھولا چمن باقی رہے
یادگارِ مشربِ دورِ کہن باقی رہے

جی میں آتا ہے کہ آ کر چوم لوں تیرے قدم
آہ لیکن جانگزا ہے دوریٔ منزل کا غم!

نوحۂ وفاتِ سرور

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور بابت دسمبر ۱۹۱۰ء)

منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی کی بےوقت موت سے اردو شاعری نے ناقابلِ برداشت صدمہ اُٹھایا ہے۔ مرحوم کے کمالِ شاعری کی داد سب نے دی ہے۔ بندۂ محروم نے ایک مسدس مدحیہ ان کی شان میں لکھا تھا۔ جو اسی مجموعہ میں شامل ہے ۴ دسمبر ۱۹۱۰ء کو رہگرائے عالمِ جاودانی ہوئے۔ ۱۳ دسمبر کو یہ نوحہ لکھا گیا۔

دل پہ بیٹھا آکے پھر تیرِ جفائے آسماں
ہر طرف چھایا ہوا ہے کیوں خموشی کا سماں
لیگئی کس کو اُٹھا کر آہ! مرگِ ناگہاں
بزمِ ہستی سے ہوئے رخصت سرورِ خوش بیاں
آہ گلچینِ اجل سے کیسی نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی!

آہ! اُس عالم سے تھی تجھکو بہت دلبستگی
یہ زمینِ پست رہنے کے ترے قابل نہ تھی
دل میں تیرے تھی ہمیشہ آرزو پرواز کی
روح تری رہ نوردِ عالمِ بالا رہی
تو تو پہنچا اپنے گھر، لیکن ہمارا کیا علاج؟
کچھ بتا ناتھا ہمیں بھی دردِ فرقت کا علاج

آرزوئے جنت کی تھی؟ ہندوستاں کچھ کم نہ تھا
گنگا جمنا کے مناظر کا سماں کچھ کم نہ تھا
سیرِ شاعر کے لئے یہ گلستاں کچھ کم نہ تھا
زمزم و کوثر سے آبِ رواں کچھ کم نہ تھا

ہند میں ساماں تھے سارے جنت الفردوس کے
کس لئے ترکِ وطن کا پھر خیال آیا تجھے؟

گلشنِ ہستی سے تو گر مائلِ پرواز تھا
آہ تو قدرت کے رازوں کی طرح اک راز تھا
نغمہ ہائے دلنشیں کا چھیڑنا کیوں ساز تھا
تیری مستی پر ہمیں اے ولئے! کتنا ناز تھا

باعثِ وحشت ہوئی ہے تیری روپوشی ہمیں
مائلِ فریاد کرتی ہے یہ خاموشی ہمیں!

کیٹس[1] اور شیلے پہ کی تھی نوحہ خوانی ہائے ہائے
وہ دلوں کے ولولے وہ نوجوانی ہائے ہائے
اُن کی پُرغم داستاں تیری زبانی ہائے ہائے
اور پھر دونو کی مرگِ ناگہانی ہائے ہائے

جام تجھ کو ساقیٔ دوراں نے ویسا ہی دیا
ہائے ظالم نے بھری محفل کو تڑپا ہی دیا!

شاعرانِ خوش بیاں ہیں اور کئی ہونگے یہاں
حسن و الفت کی بھی سنتے جائینگے ہم داستاں
فکرِ عالی بھی نہیں کمیاب زیرِ آسماں
نل دمن کا بھی نکل آئے گا کوئی ترجماں

شعر کو دے گا مگر خونِ جگر سے رنگ کون؟
حسنِ فطرت کے دکھائیگا ہمیں ارژنگ کون؟

تیرے ماتم میں ہے ساری بزمِ قدرت سوگوار
لالۂ خونیں جگر ہے سوزِ غم سے داغدار
روتے ہیں گنگ و جمن ملکر گلے زار و قطار
خاک اڑاتی پھرتی ہے ہر کنج میں بادِ بہار

[1] کیٹس اور شیلے انگلستان کے دو جوانمرگ شاعر۔ دونو اٹلی میں فوت ہوئے۔ مسرور مہرور نے اپنی نظم میں ان پر نوحہ سرائی کی ہے۔ (محروم)

کھول کر زلفیں نہ روئے کیوں عروسِ شامِ گل؟
کون ہے اب آہ! تجھ سا واصفِ حُسن و جمال

شاہدِ گل اپنے جوبن کو اُبھارے کس لئے؟
لہلہائے سبزہ نہروں کے کنارے کس لئے؟

سنبلِ صحنِ چمن گیسو سنوارے کس لئے؟
سین اب دکھلائے قدرت پیارے (پیاسے) کسلئے؟

لالہ ساغر کیوں بھرے جب کوئی متوالا نہ ہو
کیا ضرورت حسن کی جب دیکھنے والا نہ ہوا

کیا نہ اب ہوگا ترنم ریز تو ساون میں بھی؟
کیا نہ ہوگا شاملِ بلبل کے توشیون میں بھی؟

گنگنائیگا نہ عہدِ رونقِ گلشن میں بھی؟
لالۂ صحرا سے بولے گا نہ ہر گز بن میں بھی؟

کیا ہمیشہ کے لئے تو بے صدا ہو جائے گا!
سازِ دل بیگانۂ رنگِ نوا ہو جائے گا!

تیرے اُن نادیدہ مشتاقوں میں یہ محروم تھا
تیرے دل میں درد کچھ ہے یہ کسے معلوم تھا

جنکا دل تیری جدائی میں سدا مغموم تھا
آہ تو بھی اک طلسمِ ہستیٔ موہوم تھا

دل میں حسرت رہ گئی پہلو میں ارماں رہ گئے
اُٹھ چلا تو اور اہلِ بزم حیراں رہ گئے!

جس طرح اوجِ فلک پر کوئی مرغِ خوشنوا
سننے والا ہر گھڑی ہو آنکھ اٹھا کر دیکھتا

دامنِ ابرِ بہاری میں ہو چھپ کر گا رہا
شہپرِ مرغِ نظر لیکن ہو اس تک نارسا

ہم یونہی دیدار کو تیرے ترستے رہ گئے
دیدۂ مشتاق کے بادل برستے رہ گئے

غمِ نادر

(مطبوعہ ادیب بابت دسمبر ۱۹۱۲ء)

۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو منشی نادر علی خاں نادرؔ کاکوردی نے جہانِ فانی سے رحلت فرمائی۔ مرض الموت خناق بیان کیا گیا ہے۔ نوحہ کے دوسرے شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کلامِ نادر میں ایک دلکش خصوصیت ہے۔ اعلےٰ جذبات شاعرانہ کا اظہار دلپذیر الفاظ میں کچھ ایسے جدّت آمیز طور پر فرماتے ہیں کہ شعر نیر و نشتر کا کام کر جاتے ہیں۔ اور محض جذبات ہی نہیں، پڑھنے والے کو ایک روحانی لذت ملتی ہے اور پاکیزہ سبق حاصل ہوتا ہے۔ (محروم)

مرگِ نادر کی خبر کاش! نہ آئی ہوتی
باعثِ گریہ نہ پوچھو نہ سنائی ہوتی

اک چہکتی ہوئی بلبل کا گلا یوں گھونٹا
ہائے او موت! تجھے موت ہی آئی ہوتی

کیسا اندھیر ہے اے بادِ فنا کے جھونکو
آہ! یہ شمع تو تم نے نہ بجھائی ہوتی

اے فلک! اور بھی نادر کو تو جینے دینا
کونسی اس میں بھلا تیری برائی ہوتی

کب سے ہیں نالہ کشِ جورِ فنا دو معصوم
اِن غریبوں کی فغاں کی شنوائی ہوتی

ندرت آمیز یہ تصویرِ تخیّل افسوس!
دستِ بیدادِ اجل نے نہ مٹائی ہوتی

ہند میں آج تھا تو موجدِ نو طرزِ سخن
کوئی دن نادر تری تازہ نوائی ہوتی

ترے جذباتِ مصفا تھے جواہر نادرا
ابھی تازہ تھا غمِ رحلتِ آزاد و سرور
کوئی دن اور بھی دولت یہ لٹائی ہوتی
تیرے سر میں تو سفر کی نہ سمائی ہوتی

مرنے والے جو یہ تعداد بڑھے جاتے ہیں
داغ تیرے دلِ ناشاد بڑھے جاتے ہیں!

گلشنِ ہند کی رونق تھا ترانہ تیرا
دیر تک تجھ کو نہ بھولینگے زمانے والے
روئینگے خم کدۂ شعر میں آنے والے
ساغرِ نو میں مئے کہنہ سرمد کی جھلک
بوئے گل پھاند کے دیوارِ گلستاں نکلی
زمزمہ سنجِ گلستانِ ارم ہو اب تو
چشمِ ظاہر سے تجھے دیکھ نہیں سکتے ہم

کون سے کنج میں اب ہوگا ٹھکانا تیرا
گو بسر ہو گیا یوں جلد زمانہ تیرا
چھیڑے گا پیرِ مغاں جبکہ فسانہ تیرا
برق شعلوں میں وہی سوز بڑانا تیرا
بس یہی گلشنِ امکاں سے ہے جانا تیرا
یا اسی باغ میں پھر گو سنجے ترانا تیرا
لے کہ تھا عیدِ احبا نظر آنا تیرا

"کارسازاں[۵] کہ پر اسرارِ زبانت دادند
مُہرِ خاموشئے حسرت بہ لبانت دادند"

---

۵ نادر مرحوم کا اپنا شعر ہے:۔
کارسازاں کہ پر اسرار زبانم دادند
مہرِ خاموشئے حسرت بہ لبانم دادند

نوحہ

(مطبوعہ اخبار پنجاب ایڈوکیٹ میانوالی و رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور)

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

ویربھان ایک نہایت ہونہار لڑکا تھا۔ دس بارہ سال کی عمر تھی۔ چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ چیچک نکلی اور امتحان کے دن ملکِ بقا کو روانہ ہوا۔ محروم کے دل پر صدمہ ہوا۔ جس کا اظہار اشعار ذیل میں کیا گیا:-

آ جلد مدرسے پہنچ اے ویربھان آج — تجھ کو خبر نہیں ہے کہ ہے امتحان آج
ہیں آئے بیٹھے کب سے ترے ہم سبق یہاں — آنا بھی تھا سویرے کہ ہے روزِ امتحاں
اتنی تو دیر کرنے کی عادت نہ تھی تجھے — کچھ غیر حاضری سے محبت نہ تھی تجھے
تو سب سے پہلے روز پہنچتا تھا مدرسے — کیوں گھر پہ آج رہ گیا کیا ہو گیا تجھے؟
کھولی نہیں ہے کیا ابھی خوابِ سحر سے آنکھ! — سورج دکھا رہا ہے مرے جاں ادھر سے آنکھ

اُٹھ آنیوالی رات یہ غفلت کو ٹال تو
اب مدرسے کا وقت ہے جزداں سنبھال تو!

اے ویربھان! آج تو بے طور نیند ہے — تجھ کو عبث جگاتے ہیں یہ اور نیند ہے
افسوس! تو تو اور ہی خوابِ گراں میں ہے — ہے روح اُس جہاں میں جسد اس جہاں میں ہے

چیچک نے آہ! تجھ کو پیامِ قضا دیا — ہم کس طرح جگائیں؟ اجل نے سُلا دیا

گھڑیال کی صدا بھی نہ تجھ کو جگا سکی
بانگِ طیورِ صبح نہ کچھ کام آ سکی

کیسی گھڑی میں آہ! تجھے آئی سیتلا — اے کاش! کرتی رحم بھی کچھ مائی سیتلا
یوں ناشگفتہ غنچے کو کوئی توڑتا نہیں — گلچینِ مرگ آہ! مگر چھوڑتا نہیں
ہے ہے! عذابِ موت کا ننھی سی جان پر — دیکھے سے جس کے پھٹتا ہے ماں باپ کا جگر
امید بھی ہے، یاس کے زخمِ نہاں بھی ہیں — مصروفِ چارہ سازی بھی ہیں، نوحہ خواں بھی ہیں
تقدیر اُلٹ گئی کہ دوا میں اثر نہیں — افسوس اب علاج کوئی کارگر نہیں!
بیٹھی ہے موت تاک میں، بچے پہ وار ہے — اب کیا رہا کہ تیر کلیجے کے پار ہے

اب تک بھی ہے یہ وہم کہ روٹھا ہُوا نہ ہو
شانہ ہلا رہے ہیں کہ سویا ہُوا نہ ہو!

پر بولنا محال ہے اب ویر بھان کا — واقف نہیں رہا وہ ہمارے جہان کا
پڑھ کر یہاں خموشیٔ جاوید کا سبق — ہے دیکھتا کتابِ بقا کا ورق ورق
ننھے سے دل میں آہ! وہ طوفانِ ذوقِ علم — پہلو میں لے گیا ہے تو ارمانِ ذوقِ علم
وہ دلفزا امیدیں، وہ بچپن کے ولولے — تیرے یہ غمگسار ترے ساتھ اُٹھ چلے
اے آہ! بچپنے کی وہ معصوم حسرتیں — معدوم ہو گئیں تری موہوم حسرتیں!

طے ہو گئیں وہ تیری خیالی ترقیاں
وہ عمر کے مدارجِ عالی، ترقیاں!

وہ بھولی بھالی شکل ہے آنکھوں کے رُوبرو — کمرے میں پھر رہی ہے وہ تصویر ہو بہو!
اُبھرا ہُوا وہ ماتھا، وہ آنکھیں غزال سی — اور اُن پہ ابروؤں کی سجاوٹ ہلال سی!

آیا ہوا لبوں پہ تبسم ذرا ذرا
وہ توتلی زباں کا تکلم ذرا ذرا

بچپن کی شوخیاں وہ ادب سے رکی ہوئیں
ہر وقت وہ کتاب پہ آنکھیں جھکی ہوئیں

ہائے! وہ تیری ظاہر و باطن کی خوبیاں
بچتے نہیں وہ ہوتی ہیں یہ جن کی خوبیاں

ہونا ہی تھا جدا کہ ہمیں تجھ سے پیار تھا
مرنا ہی تھا تجھے کہ بہت ہونہار تھا!



نوحہ

بر وفاتِ حسرت آیات جنابہ لیڈی ہارڈنگ صاحبہ آنجہانی

لندن بری ساعت گئیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ
واپس نہ واں سے ہو سکیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ
یہ موت ہے دردآفریں، افسوس لیڈی ہارڈنگ
بیوقت دنیا سے اُٹھیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ
اے موت کیا آنکھیں نہ تھیں؟ افسوس لیڈی ہارڈنگ

جیسے چمن میں ہو کوئی پھولی پھلی شاخِ چمن
ہو دیکھنے والے کو فردوسِ نظر جس کی پھبن
ہو بُو و آب و تاب میں مشکِ ختن دُرِّ عدن
بجلی گرے اس پر یکایک، حیف اے چرخِ کہن
اے آسماں یہ ظلم کیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ

اوصافِ دلکش سے زمانے کو مسخّر کر لیا
اور فتح دل کے ملک کو بے تیر و خنجر کر لیا
آتے ہی سارے ہند کو اپنا سراسر کر لیا
دل میں ہر اک چھوٹے بڑے کے تو نے جب گھر کر لیا
پھر کیوں گئی زیرِ زمیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ

مغرب میں ایسی کب ہوئی دیوی پتی برتا کوئی
پروانۂ شمعِ وفا دیکھیں جو ہو تجھ سا کوئی
دے گا فلک نعم البدل تیرا نہ اب اصلا کوئی
لینا تھا ظالم موت نے ایسا ہی کیا بدلہ کوئی
شوہر کہیں، بچے کہیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ

دلّی میں جس دم دارا اپنا کر چکی تقدیر تھی
جب تھے ہراساں مرد و زن اور یاس دامنگیر تھی
اس وقت لیڈی ہارڈنگ! تو صبر کی تصویر تھی
کیا مایۂ توقیر تھی، کیا صاحبِ تدبیر تھی
دنیا میں لیکن اب نہیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ

صدمہ ہے بیشک جاں گسل اے نائبِ شاہِ جہاں
لیکن قضا سے چارہ کیا اے چارۂ بیچارگاں
حاکم ہو تجھ سا نیکدل اور یہ صلہ دے آسماں
بٹنے کی گر ہو چیز غم، تو بانٹ لے ہندوستاں
ہندی ہیں سب ماتم نشیں، افسوس لیڈی ہارڈنگ

۵۷۔ شوہر پرست

دربارِ دہلی کی آمد

(مطبوعہ زمانہ کانپور بابت دسمبر ۱۹۱۱ء)

منظومہ نومبر ۱۹۱۱ء

مژدہ اے دہلی! کہ پھر جشن کے ساماں ہونگے
جلوہ افروز یہاں قیصرِ ذیشاں ہونگے

چشمِ مشتاق تھی خوگرِ دیدارِ نہاں
اب نکلنے کو مچلتے ترے ارماں ہونگے

جمع ہونگے طرب و عیش و نشاط و عشرت
الم و رنج و غم دور و پریشاں ہونگے

ہند کے راجہ مہاراجہ و نوّاب تمام
پھر بصد شانِ تجمل ترے مہماں ہونگے

پھر نیا عالمِ بشگفتگی دیکھیں گے ہم
پھر ترے کوچے بہ کردارِ گلستاں ہونگے

ترے اقبال کے تارے وہ بنینگے سارے
تاجِ شاہی پہ جواہر جو درخشاں ہونگے

تری قسمت کی سیاہی کو مٹانے کے لئے
نظر افروز مہ و مہر چراغاں ہوں گے

ق

اُفِ جلوۂ دربار سے وہ ویرانے
جو کسی شاہ نشیں ہوں کے شبستاں ہونگے

اور اب جن کے مکیں زیرِ زمیں سوتے ہیں
وہ مکیں جن کے لئے عرش پہ ایواں ہونگے

عالمِ نور و ظہور ان میں نظر آئے گا آج
کہ جسے دیکھ کے دل روحوں کے فرحاں ہونگے

مہِ انجم کا جو دربار ہے شاید فلکی
اُسی دربار کے اجلال پہ نازاں ہونگے

دہلی دربار انہیں ایک نظر دیکھنے دو
ان سے پھر کلمۂ انصاف کے خواہاں ہونگے

دیکھنا پھر کہ خجل اوجِ سما پر کیا کیا
زحل و مشتری و زہرہ و کیواں ہونگے

ان کی نظروں میں سمائیگا نہ دربارِ فلک
یہ وہ دربارِ معلّے ہے کہ اے اہلِ نظر
قابلِ دید یہ دربارِ ہمایوں ہوگا

دہلی دربار کے انداز پہ قرباں ہونگے
اسکے جلووں پہ فدا انجمِ تاباں ہونگے
جس کے دروازوں پہ جم مرتبہ درباں ہونگے

اور وہ صاحبِ دربارِ ضیا ہے جس کی
جس سے کم حشمت و عدل و خرد و فکرت میں
بحر و بر جس کی اطاعت میں جھکاتے ہیں سر
جس کے اوصاف کی مدّاح ہے ساری دنیا

یہ وہ خورشیدِ فلک نور بداماں ہونگے
جم و اسکندر و کسرےٰ و سلیماں ہونگے
اور یونہی جسکی رضاجوئی میں کوشاں ہونگے
عرش پہ بلکہ ملائک بھی ثناخواں ہونگے

وہ نگہبانِ رعایا ہے زمانے بھر میں
فضل و الطافِ خدا اسکے نگہباں ہونگے!

عہدِ پیشیں کے شہنشاہوں کے جشن و دربار
ایسا دربار مگر تو نے نہ دیکھا ہوگا
ایک اک قوم سے مخصوص رہے وہ دربار

یاد تجھ کو بہت اے گردشِ دوراں ہونگے
بات یہ ان میں نہ ہوگی نہ یہ ساماں ہونگے
سب مگر اس میں طرب کوش و یکساں ہونگے

چرچ میں دیر میں مسجد میں دعائیں ہونگی
شاد عیسائی و ہندو و مسلماں ہونگے!

پھولے جاتے ہیں خوشی سے چمنِ ہند کے پھول
شاہ کے فیضِ گُلِ نقشِ قدم سے اے ہند!
تیرے گلزار میں آئے گی بہارِ تازہ
اب کے آئیگی یہاں ماہِ دسمبر میں بہار

گل نثارِ رہِ شاہنشہِ دوراں ہونگے
غیرتِ باغِ جناں تیرے بیاباں ہونگے
گو یہاں سرو ولایت کے خراماں ہونگے
مقدمِ شاہ میں موسم بھی ثناخواں ہونگے

گرم دل گرمیِ نظّارہ سے ہونگے سیّاح
کب وہ زحمت کشِ آزارِ زمستاں ہونگے

الحمد کہ مغرب سے اٹھا ابرِ عطا
غلہ کیا گوہرِ نایاب بھی ارزاں ہونگے

موتی برسائے گا وہ ہند پہ اے اہلِ وطن
اب سے بھی آپ سوا بندۂ احساں ہونگے

فیض دربارۂ کشورِ آزادی سے
مرغِ پر بستۂ صیاد پر افشاں ہونگے

سنتے ہیں ہونگے اسیرانِ وطن بھی آزاد
انکی آزادی پہ محروم بھی شاداں ہونگے!



تہنیتِ دربارِ دہلی

(مطبوعہ رسالہ راہنمائے تعلیم لاہور بابت دسمبر ۱۹۱۱ء)

مژدہ باد اے گلشنِ ہندوستاں
آگئی تجھ میں بہارِ بے خزاں

کیوں بہارِ بے خزاں تجھ میں نہ آئے
ملتفت ہو جبکہ ایسا باغباں

باغبانِ بوستانِ عدل و داد
نخلبندِ گلشنِ امن و اماں

آفتابِ مشرقِ فرماں دہی
قیصرِ ذی جاہ شاہِ جم نشاں

مایۂ تزئینِ تختِ سلطنت
آیۂ تمکینِ تاجِ ہندوستاں

یادگارِ ملکۂ وکٹوریا
زینتِ شاہی و فخرِ دودماں

عرش رفعت، جم حشم، دارا خدم
جارج پنجم خسروِ گیتی ستاں

آستاں پر جس کی ہونے کو نثار
رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں

جلوہ افگن تختِ دہلی پر ہے آج
تھی جو دہلی پائے تختِ راجگاں

دہلئ مرحوم پھر زندہ ہوئی
شاہ کے آنے سے آئی تن میں جاں

اے خوشا دہلی ترا بختِ بلند
شاہ عالی مرتبت ہے میہماں

منعقد تجھ میں ہے دربارِ شہی
دیدنی ہوگی یہ تیری عزّ و شاں

تجھ میں ہے وہ آفتابِ خسروی
فی المثل تو ہے جوابِ آسماں

منعکس ہو ہو کے نورِ انبساط
ہند میں پہنچا ہر سو بیگماں

آج تبت سے کماری تک ہوئی
موجِ برقِ عیش و عشرت کی رواں

ہند کا ہر شہر ہے آراستہ
ہر چمن، ہر باغ ہے رشکِ جناں

جشنِ شاہی کی خوشی میں شاد ہیں
ہند کے سب کودک و پیر و جواں

ہر طرف ہنگامۂ عشرت بپا
ہر جگہ ہیں عید کی تیاریاں

جھومتے ہیں جوشِ مستی میں نہال
نغمۂ عشرت نوا ہائے طائراں

ہیں مناتے اک طرف ہندو خوشی
ہیں مسلماں اک طرف شادی کناں

دیر و مسجد میں دعائیں ہو گئیں
از پئے جاہ و جلالِ مرزباں

خوانِ یغما ہے مساکیں کے لئے
گرم پوشش بہرِ سرما خوردگاں

قیصری تمغے ملے اطفال کو
ساتھ ہی بانٹی گئیں شیرینیاں

ہر کہیں جلسے مبارک باد کے
ہر جگہ رنگِ وفا کوشی عیاں

ہر زباں پر ہے دعائے بختِ شاہ
ہر بیاں میں ہے صداقت کا نشاں

ہر لبِ وا پر تبسم کی ہے موج
ہر نظر سے فرحتِ دل ہے عیاں

ہر گلِ بشگفتہ میں بوئے وفا
ہر چمن میں نہر الفت کی رواں

ہے دعائے صبحدم محروم کی
سن لے تو اے خالقِ ہر دو جہاں

ملکۂ میری و شاہِ جارج پر
ہو تری رحمت کا سایہ سائباں

بخش شہزادوں کو تو عمرِ طویل
ہوں رعیت کے لئے آرامِ جاں

ہند کو اس عہد میں اے کردگار
غیب سے دیدے حیاتِ جاوداں!

انگریزی نظموں کے ترجمے اور بچوں کی نظمیں

آج

(مطبوعہ ادیب الہ آباد بابت جولائی ۱۹۱۱ء)

(۱)

اُٹھو! اُٹھو! دن گزر چلا ہے، پڑے ہوئے کیوں سوسوں میں، جاگو
حریف جوشن پہن چکے ہیں، نہیں مناسب کہ رن سے بھاگو
جگہ جو ہے معرکے میں خالی، تمہارے ہی انتظار میں ہے
کرو دل و جاں سے اسکو پورا، وہ فرض جو کارزار میں ہے
ہیں شیخ چلی کے خواب، چھوڑو خیال آیندہ و گذشتہ
کہ "آج" ہے، اور کچھ نہیں ماہ و سالِ آئندہ و گذشتہ

(۲)

اُٹھو! اُٹھو! یہ خیالِ آئندہ چھوڑ دو طاری ہے جو دلوں پر
کہ جا کے گھمسان کی لڑائی میں، ہم دکھائیں گے اپنے جوہر
کریں گے یا جا کے ہم کسی دن ہوائی قلعہ کوئی مسخّر
مصاف میں منہ کی کھائے گا ہم سے لاکھ ہو کوئی دیو پیکر
تمہارے آئندہ کارناموں میں ہوگی بے شبہ شانداری

ملے گی تو فتح تم کو بیشک، اگر ہے قسمت میں فضل باری
مگر نہ پاؤ گے بازوؤں میں تم اپنے قوت، ہے آج جتنی
تمہاری میداں میں پھر نہ ہو گی کبھی ضرورت ہے آج جتنی

(۳)

اُٹھو! اُٹھو! جو رکاوٹیں ہیں، خیال میں بھی تم نہیں نہ لاؤ
جو روز و شب کل گزر چکے ہیں، تم اپنے دل سے انہیں بھلاؤ
ستم ہے! زنجیرِ یادِ ایام پائے مردانہ پر کڑی ہے
اسیر آج اس کے ہو گئے تم، کہ جس کی بوسیدہ ہر کڑی ہے
ہو خواہ شاداں، ہو خواہ غمگیں، نکال دو پاؤں سے سلاسل
یہ زنگ خوردہ ہیں، اور پرانی، تو توڑنا ان کا کیا ہے مشکل؟
نگاہ ڈالو نہ مڑ کے طومارِ کہنہ پر تم کبھی، مگر ہاں
سبق وہ پڑھ لو جو جنگِ "امروز" میں ہو جرأت فزائے مرداں

(۴)

اُٹھو! اُٹھو! دن گزر چلا ہے، یہ آتی دھیمی سی جو صدا ہے
صدا یہ دشمن کے کوچ کی ہے، تمہارے سر پر جو آ گیا ہے
کرو نہ ہتیار تیز کرنے میں دیر ہرگز کہ وقت کم ہے
وگرنہ پھر تم ہو، اور سر پہ تمہارے وہ وقت پُرالم ہے
کہ آنیوالی لڑائی کے خواب سے ہو بیدار جس گھڑی تم
تو یہ سنو پھر کہ ہو چکی وہ لڑائی، تب ہوش کیوں نہوں گم

(ترجمہ از انگریزی)

آج اور کل

(ترجمہ از انگریزی)[۱]

(۱)

قسمت ہماری راہ میں گر ہنستے آتی ہو — اور سامنے ہمارے گلِ تر بچھاتی ہو
خواہش کے ہاتھ اُنکے لئے کب بڑھائیں ہم؟ — اے مہرباں! آج ہی ان کو اٹھائیں ہم
لیکن اگر وہ چیں بجبیں ہو کے آتی ہو — اور آنے والے رنج سے ہم کو ڈراتی ہو
پھر ہم کو لانا چاہئے کب چین میں خلل؟ — لانا پڑے ضرور تو کل، اے عزیز کل!

(۲)

وہ جن سے ہمنے صدمے اٹھائے ہیں بیشمار — ہوتے ہیں آج رحم کے گر ہم سے خواستگار
ہاں کب کریں قصور کو اُنکے معاف ہم؟ — اے غمگسار آج ہی کہتے ہیں صاف ہم
انصاف اگر کہے کہ انہیں دو سزا ضرور — غصّہ کہے معاف نہ ہرگز کرو قصور
غصّے میں آکے ان کو ملامت کریں تو کب؟ — کل اے مرے جناب! اسے کل پہ یہ تعب

(۳)

وہ لوگ جن کو ہم نے بنایا ہے تنخواہ — اور اب ہمارے ہاتھ پہ رکھتے ہیں وہ نگاہ
اس رنج سے ہم اپنے تئیں کب بری کریں؟ — اے شادکام جلد کریں آج ہی کریں

۱؎ - یہ ترجمہ بزمانۂ طالب علمی کیا گیا۔ بعد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ (محروم)

لیکن ہمارے قرض کے نیچے ہیں جو غریب — کرتے ہیں عذر اپنی تباہی کا بدنصیب
کب لائیں انکی وعدہ خلافی خیال میں — کل اے شفیق کل ہی پڑیں اس ملال میں

(۴)

ہاں فرصت فراغ دل و کار خیر کا — ہوتا جو وقت ہے، وہ ٹھہرتا نہیں ذرا
اے ہمنشیں! پھر آنکی اُسکے نہ رکھ امید — اس وقت خوش کو آج ہی کہہ خوش آمدید
لیکن یہ غصہ والم و رنج و غم جنہیں — کہنے سے اہل ہوش کے بیہودگی کہیں
آتے ہیں جلد حق سے یہ انکو نہ آئیں وہ — آئیں تو دوست! کل ہی ہمیں منہ دکھائیں وہ

صادق دوست کی پہچان

ترجمہ از شکسپیئر

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

جو شخص فی الحقیقت ہے دوستدار تیرا — جب وقت آپڑیگا، ہوگا وہ یار تیرا
جب تو اداس ہوگا آنسو بہائے گا وہ — بیخواب تو اگر ہے سونے نہ پائے گا وہ
القصہ تیرے دل پر جو غم کا بار ہوگا — حقہ بٹا ہی لیگا جو یار غار ہوگا
ایسی نشانیوں سے کرلے تمیز تو اب
یہ یار یار صادق، وہ یار یار مطلب

سپاہی کا خواب

(ترجمہ از انگریزی)

(مطبوعہ رسالہ مخزن بابت اپریل ۱۹۱۲ء)

دورِ اُفق پہ گرنے لگے پردہ ہائے شام
پہرے پہ مستعد جو کواکب ہوئے تمام

دینے لگی صدا لئے بگل امن کا پیام
فرشِ زمیں پہ لشکریوں نے کیا قیام

جو تھک گئے تھے مائلِ خوابِ گراں ہوئے
گھائل جو تھے وہ ملکِ عدم کو رواں ہوئے

میں بھی گیاہِ خشک کے بستر پہ سو گیا
دی تھی وہ آگ ہم نے سرِ شام ہی جلا

روشن وہیں الاؤ پئے دفعِ گرگ تھا
لاشیں نہ کھوئی جائیں تھا اس سے مدعا

آدھی تھی تو خواب وہ دیکھا کہ واہ رے!
تا صبح تین بار وہ آیا نظر مجھے

دیکھا کہ دور ہوں میں صفِ کارزار سے
ظاہر اثر خزاں کا ہے ہر شاخسار سے

صحرا کو کاٹتا ہوں کسی رہگذار سے
سورج عیاں ہوا ہے ابھی کوہسار سے

اور میں رواں ہوں جانبِ کاشانۂ پدر
لیتا ہے وہ بلائیں مری رہ میں آن کر

جب کھیت وہ سہانے نظر پڑے
جو سیرگاہ تھے مری فصلِ شباب کے

بے اختیار دوڑ پڑا فرطِ شوق سے
نقشے پرانے سب ہی نظروں میں پھر گئے

آواز بکریوں کی وہی تھی چٹان پر
جاری وہی تھے گیت کساں کی زبان پر

پہنچا میں اپنے گھر جو بصد شوقِ بیقرار
مل مل کے مجھ سے روتے تھے احباب زار زار

وعدہ کیا کہ اب نہ میں جاؤں گا زینہار
سب نے بطورِ عہد پیا جامِ خوشگوار

بچوں نے چوم چوم کے جتلائیں الفتیں
بیوی نے آہ کھینچ کے کہیں لاکھ منتیں

للہ اب نہ جاؤ یہاں سے یہیں رہو
کافی سہے ہیں رنج۔ بلائیں نہ اب سہو

جھیلی ہیں سختیاں بہت! آرام بھی تو لو"
میں خستہ جاں بھی سن کے یہ بولا کہ جو کہو

لیکن نمودِ صبح نے مجھ پر ستم کیا
بیوی تھی وہ نہ بچے، نہ وہ یار و آشنا!

کیا سے کیا

(ولیم ورڈز ورتھ کے اشعار کا ترجمہ)

بنی پڑی تھی چشمِ حقیقت نگر پہ اور
بیخوف دل مرا تھا فنا کے خیال سے

ایسا ہی تھا طلسم کہ میرا گماں یہ تھا
ہے اس کا حسن دورِ فنا سے زوال سے

زیرِ زمیں ہے بے حرکت اب پڑی ہوئی
یا دلئے دیدہ نہ گفت و شنید ہے

چکر میں ہے زمیں کے ہنڈولے میں رات دن
اک تودہ گِل کا سنگ و شجر پر مزید ہے!

اندھا لڑکا

ترجمہ از انگریزی

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

ہاں ہاں! مجھے بتا دو کیا چیز روشنی ہے — قسمت میں میری جس کا لکھا نہیں نظارا
بینائی چیز کیا ہے! وہ کس لئے بنی ہے؟ — اس اپنے اندھے لڑکے پر کر دو آشکارا

ہو دیکھتے عجائب کرتے ہو ذکر ان کا — کہتے ہو مہر تاباں جلوے ہے یوں دکھاتا
بیشک وہ گرم تو ہے، روشن ہے یہ نہ سمجھا — دنیا میں کس طرح ہے دن رات وہ بناتا

دن رات میں تو اپنے ہوں آپ ہی بناتا — جب سو گیا تو شب ہے کھیلا کیا تو دن ہے
اور اس طرح ہمیشہ گر کھیلتا ہی جاتا — گر آدھی رات ہوتی کہتا مگر تو دن ہے!

سنتا ہوں سرد آہیں تم کھینچتے ہو اکثر — کرتے ہو سوز دل سے غم میری بے بسی کا
لیکن یہ میرا نقصاں بھاری نہیں ہے مجھ پر — میں جھیلتا ہوں اسکو کچھ بھی نہیں ہے پروا

جس چیز پر نہیں ہے کچھ اختیار مجھ کو — وہ کیوں مجھے بنا دے اک غم نصیب لڑکا
ہوں بادشاہ جبکہ دم گاتا ہوں شاد ہو ہو — ہوں گرچہ دیکھنے میں اندھا غریب لڑکا

چوری

ترجمہ از انگریزی

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

(۱)

ہمسائے کو میرے نہ اگر بات یہ بھائے — پھر کس لئے میں اُسکی کوئی چیز اُٹھاؤں
محنت کیلئے ہاتھ خدا نے ہیں بنائے — کیا وجہ کہ پھر غیر کا میں مال چُرا لوں

(۲)

بیہودہ خیال اور حماقت ہے سراسر — اُمید بھی رکھنا فریب اور دغا سے
جو چیز کہ تم لائے کہیں سے ہو چُرا کر — بدلے گی غم و رنج و مصیبت و بلا سے

(۳)

ہے یاد نہیں آدم و حوا کی کہانی — کیا اجر اُنھوں نے تھا خداوند سے پایا
کیا کیا نہ پڑی دونو کو تکلیف اُٹھانی — فردوس میں اک گیہوں کا دانہ تھا چُرایا

(۴)

لاتا ہے جو بچہ کبھی اک چیز چُرا کر — ظاہر میں تو وہ جُرم ہے چھوٹا نظر آتا
لیکن انہیں اطوار کی رسی کو بڑھا کر — اک روز ہے پھانسی میں لٹکتا نظر آتا

(۵)

چوری کو چھپا رکھنا ہے امکان سے باہر — گو ہم یہ کہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے

بالفرض اگر کوئی بشر ہو نہ وہاں پر — موجود مگر ناظر ہر فعل خدا ہے

(۶)

غیروں کی کسی چیز کی خواہش نہ کروں میں — اے میرے خدا! دل کو رہوں اپنے سنبھالے
جو چیز کہ قبضے میں نہ ہو میرے نہ لوں میں — ہاتھ اور مرے دل کو گناہوں سے بچالے

کام

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

ہو کبھی انساں نہ بیدل کام سے — کیونکہ ہوتا ہے یہ کاہل کام سے
کام میں ہیں مہر و ماہ و ابر و باد — سج گئی دنیا کی محفل کام سے
اہل ہمت کا ہے خود حامی خدا — برکتیں ہوتی ہیں نازل کام سے
عزتیں محنت سے پا جاتے ہیں لوگ — مرتبے ہوتے ہیں حاصل کام سے
مرد کہلانا انہیں آساں نہیں — جی چراتے ہیں جو مشکل کام سے
نام حاصل کر گئے دنیا میں جو — وہ ہوئے شہرت کے قابل کام سے
چست لڑکے شوق سے کرتے ہیں کام — اور گھبراتے ہیں کاہل کام سے
کیوں گنواؤ تاش اور چوسر میں وقت — کب ہیں اچھے یہ مشاغل کام سے

دین و دنیا سے گیا محروم وہ
ہوگیا جو شخص غافل کام سے

شام

(ترجمہ از انگریزی)

ڈوب گیا ہے مہرِ تاباں — اور چمن میں پھر نئے سر سے
گرنے لگی ہے شام کی شبنم — گھاس ہوئی تر شبنمِ تر سے

لمبی تانے، پاؤں پسارے — سو گئے چھوٹے چھوٹے پرندے
ہے سب گھونسلوں میں خاموشی — گیت نہیں سننے میں آتے

شبنم سے لبریز پڑے تھے — باغ میں جو پھولوں کے ساغر
شام نے سب کو ڈھانک دیا ہے — ایسے پیالے! ایسے معطر!

لیٹ کے بسترِ بے فکری پر — میں بھی مزے سے سوؤں گا شب بھر
اور اٹھوں گا جبکہ نمایاں — ہوگا جلوۂ صبحِ منوّر

رات کی تاریکی میں ہرگز — میں نہ ذرا بھی ہراساں ہوں گا
رات کو بھی ہے پاس ہمارے — جو ہے محافظ دن کو ہمارا

شام

اور

اور ایک ننھے بچے کے خیالات

(مطبوعہ رسالہ ایشیا امرت سر فروری سنہ ۱۹۰۸ء)

(۱)

خورشید نہاں ہُوا نظر سے — طائر ہوئے محوِ خوابِ نوشیں
ہے وقت، سلام سب کو دیجے — اور لیجئے بوسہ ہائے شیریں

(۲)

ابّا! امّاں! سلام لے لو — میں جانے لگا ہوں سوئے بستر
یارانِ قریب و دور سب کو — سوتا ہوں میں اب سلام دے کر

(۳)

تم کو بھی سلام اے پرندو! — سو جاؤ مزے سے تا سحر تم
دیتے تم بھی سلام مجھ کو — رکھتے لبِ گفتگو اگر تم

(۴)

روشن ہے فلک پہ ماہِ تاباں — کم کم ہیں چمک رہے ستارے
کر لیجئے بند چشمِ گرداں — اور پڑھئے نمازِ شام سارے

(۵)

میرا ہو سلام بانکے پھولو! — سوتا ہوں میں، تم ہو کھلکھلاتے
تاروں کو مرا سلام دیدو — شب آنکھ جو تم سے ہیں ملاتے

(ترجمہ از انگریزی)

جیسی کرنی ویسی بھرنی

(مطبوعہ رسالہ عصمت دہلی بابت اپریل سنہ ۱۹۱۲ء)

بجا مکتب میں جب چھٹی کا گھنٹہ — لیا سب لڑکیوں نے گھر کا رستہ
چلیں گھر کی طرف دلشاد ہو کر — کہ ہوتی ہے خوشی آزاد ہو کر
سلیقے سے ادب سے اور حیا سے — چلیں لیکن قدم جلدی اٹھا کے
کہ رستے میں نہ ہوں اوقات برباد — نصیحت اپنی استانی کی تھی یاد
کوئی کہتی کہ بہنو! جلد آؤ! — اگر طاقت ہے پاؤں میں دکھاؤ
مرا بھائی بھی پڑھ کر آیا ہوگا — مگر کھانا نہ اس نے کھایا ہوگا
کہ جبتک میں نہ ہوں کھاتا نہیں وہ — چلو بھوکا نہ بیٹھا ہو کہیں وہ
کوئی کہتی کہ میرا ننھا بھائی — جسے روتا ہوا میں چھوڑ آئی
ابھی تک گھر میں ہوگا وہ مچلتا — سوا میرے نہیں ہرگز بہلتا!
کوئی کہتی کہ میری ماں تھی بیمار — کیا آتے ہوئے گو میں نے اصرار
کہ اماں جاں! نہ جاؤں آج مکتب — کہیں تو کام میں گھر کا کروں سب
ہوا لیکن نہ یہ ان کو گوارا — کہ میری حاضری میں آئے ناغہ
سو جانا ہے مجھے تو گھر میں جلدی — کہ دیکھوں حالت اماں کی ہے کیسی

چلیں بڑھ بڑھ کے وہ اک دوسری سے
کنارے آگئیں سب اک سڑک کے

نظر آئی یہاں اک انکو بڑھیا
ضعیفی سے تھا ابتر حال جس کا

نہ دیتا تھا کچھ آنکھوں سے دکھائی
اسے کہتا تھا ہر اک اندھی مائی

کمر کبڑی کماں سے بھی زیادہ
جھکی تھی آسماں سے بھی زیادہ

دہن میں تھا نہ اسکے دانت کوئی
نہ ہوگی پیٹ میں بھی آنت کوئی

کہیں سے تھی وہ رستہ بھول آئی
غریب اندوہگیں تھی "اندھی مائی"

کھڑی تھی دیر سے کوئی نہ گزرا
کہ جس سے پوچھ لیتی اپنا رستہ

سنی جب لڑکیوں کی اس نے آواز
تو تتلاتے ہوئے دی اس نے آواز

"کوئی اللہ کا ایسا ہو پیارا!
بتانا جائے مجھ کو آکے رستہ"

بڑھی سن کر یہ آگے ایک لڑکی
نہ تھی وہ لڑکیوں میں نیک لڑکی

نہ تھا پڑھنے پڑھانے سے اسے کام
کہ تھا ہنسنے ہنسانے سے اسے کام

یہ سوجھی اپنے پھن اب دکھائے
ہنسے ہمجولیوں کو بھی ہنسائے

گئی اور جاتے ہی بڑھیا کی لکڑی
ہنسی کو ضبط کر کے اس نے پکڑی

ہوئی دل میں نہایت شاد بڑھیا
وہ سمجھی ہے کوئی یہ نیک بندہ

دعائیں دیں اسے اور پیچھے ہولی
مگر وہ دخترک منہ سے نہ بولی

اسے لے کر چلی وہ اک طرف کو
شرارت تم ذرا لڑکی کی دیکھو

گڑھے میں جاکے بڑھیا کو گرایا
گری بڑھیا تو شور اس نے مچایا

برا کہنے لگی اور بد دعا دی
یہی انعام پاتے ہیں فسادی

بہت سی لڑکیاں تو جا چکی تھیں — مگر جو یہ تماشا دیکھتی تھیں
ہنسیں اس بات پر وہ کھلکھلا کر — چلیں گھر کی طرف تالی بجا کر
مگر کچھ لڑکیاں جو نیک دل تھیں — بڑھیں بڑھیا کی جانب دینے تسکیں
گڑھے سے اُسکو مل جل کر نکالا — جو تھا بڑھیا کا رستہ اسپہ ڈالا

چلی بڑھیا انہیں دے کر دعائیں
گئیں وہ اپنے گھر لے کر دعائیں

وہ لڑکی جس نے کی تھی یہ شرارت — گئی گھر میں تو آئی اُسپہ آفت
جو اتنی دیر رستے میں لگائی — تو غصہ ماں کو آیا جب وہ آئی
کہا کیوں آج اتنی دیر کی ہے — بتا رستے میں کیا کرتی رہی ہے
مگر کچھ بات اُس سے بن نہ آئی — بنایا جھوٹ لیکن منہ کی کھائی
جو پہلے آئی تھیں اُنکی زبانی — سُنی تھی ماں نے بڑھیا کی کہانی
کہا جھوٹ اور قصور اپنا چھپایا — تو اس پر ماں کو دونا غصہ آیا
طمانچے کھینچ کر کچھ ایسے مارے — کہ چیخ اُٹھی وہ لڑکی دکھ کے مارے

رہی روتی نہ کھائی اس نے روٹی
کہ تھی ایسی ہی وہ قسمت کی کھوٹی

ہوئی جب شام گھر میں باپ آیا — تو ماں نے حال سب اسکو سنایا
کہا اس نے سزا یہ اپنی پائے — نہ گھر بھر میں کوئی اسکو منائے
ہر اک چھوٹے بڑے نے کھانا کھایا — کسی نے بھی نہ لڑکی کو بلایا

گئے کھا پی کے اپنے بستروں پر
مزے تا نیند کے لوٹیں وہ شب بھر

سناؤں تم کو اب لڑکی کی حالت
یونہی جب روتے روتے سو گئی وہ
نظر آیا عجب یہ خواب اس کو
سفیدی آ گئی بالوں پہ اس کے
کمر کبڑی ہوئی اس کی سراسر
دہن سے گر چکے ہیں دانت سارے
توانائی بدن میں ہے نہ طاقت
ستم اک اور اب ہونے لگا ہے

وہ حالت جس سے آئے سب کو عبرت
تو کیا دیکھا کہ بوڑھی ہو گئی وہ
کہ جو کرنے لگا بیتاب اس کو
سیاہی چھا گئی گالوں پہ اسکے
کھڑی ہے ہاتھ ٹیکے وہ عصا پر
ہوئے ہیں اسکے چہرے کھردرے
ہوئی ہے جیتی وچالاکی رخصت
کہ آنکھوں سے اُجالا اُڑ چلا ہے

غرض یوں خواب میں بڑھیا ہوئی وہ
ہوئی بڑھیا تو نابینا ہوئی وہ

یہ حالت جبکہ قسمت نے دکھائی
کہ جاتا ہے کہیں اسکو مگر ہائے!
جہاں اس کے لئے ظلمت کدہ ہے
سہارا کچھ نہیں ہے اس کے پاس
وہ اندھی ہے نظر کیا آئے رستہ
یکایک اک صدا آئی کہیں سے

مصیبت پر مصیبت اور آئی
نظر آتا نہیں کچھ کس طرح جائے
کھڑی وہ اک جگہ حیرت زدہ ہے
کمر کی طرح ہے ٹوٹی ہوئی آس
نہیں ہے کوئی جو دکھلائے رستہ
یہ بڑھیا بول اُٹھی فوراً وہیں سے

"کوئی اللہ کا ایسا ہو پیارا
دکھا جائے مجھکو آکے رستہ"

عصا پکڑا کسی نے اس کا آکر
چلی یہ پیچھے پیچھے رہنما کے

دعا دینے لگی یہ ہاتھ اُٹھا کر
قدم آہستہ آہستہ اُٹھا کے

جب اسکے پیچھے اک جانب پھری وہ
تو دھم سے اک گڑھے میں جا گری وہ

جو پیشانی پہ اس کی چوٹ آئی
پکار اُٹھی دُہائی ہے، دُہائی!

صدا یہ سُنکے چونکے باپ اور ماں
ہوئے لڑکی کو اپنی دیکھ حیراں

گری ہے چارپائی سے زمیں پر
تکے ہے نیم خوابیدہ وہیں پر

جگایا اور جگا کر اس سے بولے
ہُوا کیا؟ تو نے دیکھے خواب کیسے!

تری صورت پہ ہے کیوں خوف چھایا
یہ کس نے چارپائی سے گرایا!

کہا لڑکی نے دیکھو امّاں، ابا!
ملا بدلہ مجھے میری خطا کا!

جو کل میں نے کیا تھا پیش آیا
مجھے تو بخش دے میرے خدایا!

کریں اب درگذر میری خطا سے
چھڑائیں آپ ہی رنج و بلا سے

یہ سُن کر ماں نے چھاتی سے لگایا
کہا کچھ تو بتا کیا پیش آیا؟

سنایا خواب لڑکی نے سراپا
وہ اپنی بیکسی اپنا بڑھاپا

کسی کا آکے وہ رستہ دکھانا
وہ گرنا اور گر کر چوٹ کھانا

کہا لڑکی نے پھر یوں جوڑ کر ہاتھ
نہ ان کاموں کا دونگی عمر بھر ساتھ

کہا ماں باپ نے شاباش بیٹی!
سعادت ہے اسی میں صاف تیری

اسے پھر پیار سے کھانا کھلایا
دلاسے دیکے بستر پر سُلایا

سحر اُٹھ کر ہوئی وہ شادمانی
نئی گویا ملی ہے زندگانی!

کتاب

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

لڑکو! بُرے بھلے کی جنہیں کچھ تمیز ہے
بہتر کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے
دنیا کے دوستوں کی محبت سدا نہیں
ساتھی یہ وہ نہیں کہ کبھی ساتھ چھوڑ دے
ہمراز ہے یہ راز چھپاتا نہیں کبھی
دل کا جو حال ہے وہ سراسر زباں پہ ہے
گرچہ نہیں ہے اسکے دہن میں زباں کوئی
روئے زمیں کے سارے مظاہر اسی میں ہیں
دیکھا ہے سب کتاب میں جو کچھ جہاں میں ہے
دریا رواں ہے یا کوئی اونچا پہاڑ ہے
سوکھے ہوئے درخت ہیں یا میوہ دار ہیں
سب کچھ کتاب ہمکو دکھاتی ہے ہو بہو
پربت اسی میں اور سمندر اسی میں ہے
دیکھو تو ہے اسی میں چمن کی بہار بھی

کیا چیز اُنہیں کتاب سے بڑھکر عزیز ہے
اچھا کوئی شفیق نہیں ہے کتاب سے
اس سے مگر جدائی کا کھٹکا ذرا نہیں
کیا دوست لیکے ہاتھ میں جو ہاتھ چھوڑ دے
اور جھوٹ موٹ بات بناتا نہیں کبھی
جیسا خیال ہے وہ سراسر زباں پہ ہے
اس سا نہیں جہان میں شیریں بیاں کوئی
باغ جہاں کے سارے مناظر اسی میں ہیں
موجود ہے زمیں پہ یا آسماں میں ہے
جنگل ہرا بھرا ہے کہ میداں اجاڑ ہے
پھولوں سے ہیں سجے ہوئے یا خار زار ہیں
ان سب کا حال ہمکو سناتی ہے مو بمو
لالوں کی کان اسی میں ہے گوہر اسی میں ہے
شمشاد بھی ہیں سرو بھی ہیں لالہ زار بھی

بڑے گلاب کے بھی ہیں اور کیاریاں بھی ہیں
صحنِ چمن میں پھولوں کی گلکاریاں بھی ہیں

آتا ہے جھوم جھوم کے ابرِ بہار بھی
بگلوں کی آسماں پہ ہے اڑتی قطار بھی

بلبل بھی اپنے گیت سناتی ہے آن کے
ہر شاخ پر گلوں کو ہنساتی ہے آن کے

دنیا کی مرغزاروں کے جتنے چرند ہیں
اڑتے ہوئے ہواؤں میں یہ جتنے پرند ہیں

معلوم اس کتاب کو ہر اک کا حال ہے
اس کی کرے برابری کس کو مجال ہے

ہر اک کا حال اور ہر اک کی کہانیاں
ہم کو سنا کے کرتی ہے کیا دلستانیاں

دنیا کے سارے شہر یہ ہم کو دکھاتی ہے
اور خوب لہر بہر یہ ہم کو دکھاتی ہے

نقشہ کہیں کھنچا ہے تو تصویر ہے کہیں
اور دل کو کھینچتی ہوئی تحریر ہے کہیں

دیکھی اسی میں مہرِ درخشاں کی روشنی
تاروں کی چشمکیں مہِ تاباں کی روشنی

لکھا بھی اسی میں ہے وہ ہمیں جس کی خبر نہیں
اس میں لکھا ہوا ہے جو آتا نظر نہیں

سمجھو اسے کہ اس میں خزانہ ہے علم کا
اٹھو پڑھو پڑھو کہ زمانہ ہے علم کا

بے علم کی ذرا بھی ضرورت یہاں نہیں
کچھ بھی نہیں جو علم کی دولت یہاں نہیں

لڑکو لگاؤ دل کو تم اپنی کتاب میں
مانگو دعا پہنچ کے خدا کی جناب میں

دعا

پروردگار دے مجھے الفت کتاب کی
بھر دے تو میرے دل میں محبت کتاب کی

جب تک کہ دم میں دم ہے میں اس سے جدا نہ ہوں
اور اپنے ایسے دوست سے غافل ذرا نہ ہوں

میری کتاب

(بچّوں کا گیت)

آ اے کتاب آ مری پیاری کتاب آ — آ جلد میرے ہاتھ میں آ جا شتاب آ
آ میرے پاس آ مجھے عقل و شعور دے — دل کو سرور دے مری آنکھوں کو نور دے
آنکھوں کے سامنے میں رکھوں تجھ کو کھول کے — بہلا تو میرے دل کو ذرا بول بول کے
جو جو ہیں راز دل کے مرے سامنے تو کھول — تجھ میں زباں نہیں ہے تو میری زباں سے بول
چھوٹی سی ہے ذرا سی ہے دانا مگر ہے تو — بیجان بیزبان ہے گویا مگر ہے تو
یہ علم کا خزانہ کہاں سے ملا تجھے — آ آ مجھے بتا دے جہاں سے ملا تجھے
دیدے مجھے بھی علم اک نورِ خدا ہے علم — میراثِ انبیا ہے کسی نے کہا ہے علم

آ اے کتاب آ مری پیاری کتاب آ
آ جلد میرے ہاتھ میں آ جا شتاب آ

بُلبُل

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

میں ہوں چہکنے والی بُلبُل ہے نام میرا — پھولوں کو دیکھنا ہے گلشن میں کام میرا
ہوں شاخِ گُل پہ اپنا میں آشیاں بناتی — شام و سحر گلوں کو ہوں گیت میں سناتی
گُل میرے زمزموں پہ جب کان ہیں لگاتے — سن سن کے میرا گانا پھولے نہیں سماتے
بخشی صدا سُریلی مجھ کو مرے خدا نے — بھاتے ہیں آدمی کو دل سے مرے ترانے
گاتے مری ثنا ہیں سارے جہاں کے شاعر — یورپ، عرب، عجم کے، ہندوستاں کے شاعر
چھوٹا سا ایک پنچھی ہوں دیکھنے میں لیکن — رونق نہیں ہے کچھ بھی صحنِ چمن میں مجھ بن
لڑکو اگر ہو دانا، بتلاؤ بھید کیا ہے — ہے کیا سبب کہ دلکش اتنی مری صدا ہے
تو تمہیں بتاؤں اس کا سبب عزیزو! — تم غور کرکے سننا یہ بات سب عزیزو!
وہ خالقِ دو عالم یعنی خدا ہمارا — ہر ایک پیاری شے سے ہے جسکا نام پیارا
جس نے زمیں بنائی جس نے جہاں بنایا — جس نے بنائے تارے اور آسماں بنایا
پودے اُگائے جس نے میوے لگائے جس نے — گلشن کے پھول کانٹے سارے بنائے جس نے
ہم سب کا وہ خدا ہے ہم سب پہ مہرباں ہے — دیکھو تو اسکی قدرت ہر جہاں تہاں ہے
کرتا ہے پیار ہم سے وہ باپ ہے ہمارا — اور ہر گھڑی نگہباں وہ آپ ہے ہمارا

ہوں گیت روز و شب میں اسکی ثنا کے گاتی
باعث یہی ہے لڑکو! ہوں سب کے دل کو بھاتی

مور

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے
بخشے ہیں اسکو کیا کیا نقش و نگار تو نے

گویا کہ بال و پر میں گلزار کھل رہا ہے
جو بیل ہے نرالی بوٹا جو ہے۔ نیا ہے

یہ پھول ہیں شگفتہ تن پر جو داغ سے ہیں
چُنکر یہاں لگائے قدرت کے باغ سے ہیں

یہ تاج اس کے سر پر کیسا ہے یا الٰہی
بخشی ہے تو نے اسکو گلشن کی بادشاہی

چھم چھم برس چکا ہو سبزے پہ جبکہ پانی
ہوتی ہے اسکے دل کو اسوقت شادمانی

دلشاد ہو کے بولی تب اپنی بولتا ہے
پر ناچنے کی خاطر اسوقت کھولتا ہے

دُم کو چنور بنا کر ہے ناچتا خوشی سے
ہے اپنے دوستوں کو دیتا صدا خوشی سے

جسوقت باری باری ہیں ناچنے پہ آتے
جنگل میں مل ملا کر منگل ہیں یہ مناتے

انساں نے بھی بنائے ہرچند مور نقلی
کرتے نہیں ہیں ہم کو خورسند مور نقلی

مٹی کے، موم کے ہوں، کاغذ یا ہوں خس کے
وہ مور کچھ نہیں جو ہیں آدمی کے بس کے

وہ بولتے ہیں، حاصل انکو زباں نہیں ہے
وہ ناچتے ہیں لیکن ان میں تواں نہیں ہے

قدرت پہ تیرے کامل انساں ہے ناتکمل
اور مور جو ہے اس کا بیجاں ہے ناتکمل

دیں بدنما جو ٹانگیں انصاف یہ ترا ہے
اچھا ہے اسکے حق میں زیبا ہے اور بجا ہے

مغرور تا کہ اپنی خوبی پہ ہو نہ جائے
شرمائے اپنے پاؤں جسوقت دیکھ پائے

اسوقت یوں زباں سے اپنی کہے خدایا
صد شکر مجھ کو سارا ایسا نہیں بنایا

محنت

(مطبوعہ رسالہ راہنمائے تعلیم لاہور)

رو خیالِ محنت گر صبح و شام ہوگا — کہتے ہیں بخت جس کو آ کر غلام ہوگا
جو دل کا مدعا ہے، حاصل تمام ہوگا — محنت سے کام ہوگا، محنت سے نام ہوگا
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

نت بغیر جینا ممکن نہیں جہاں میں — محنت سے وہ بنا ہے رہتے ہو جس مکاں میں
نت کا پھل ہیں پودے جتنے ہیں گلستاں میں — محنت لگی ہوئی ہے بلبل کے آشیاں میں
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

محنت نہ گر برس دن کرتا کساں بچارا — پیدا نہ ہوتا غلہ، ہوتا نہ گھاس چارا
محتاج روٹیوں کو پھرتا جہان سارا — ہر شخص کو جہاں میں محنت کا ہے سہارا
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

گر چاہتے ہو عزت، محنت سے وہ ملیگی — درکار اگر ہے شہرت، محنت سے وہ ملیگی
ہے جس کا نام دولت، محنت سے وہ ملیگی — کہتے ہیں جسکو قسمت، محنت سے وہ ملیگی
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

کاہل جو ہیں جہاں میں اُن کا مآل دیکھو — افلاس کے سبب ہیں خستہ حال دیکھو
رہتے ہیں ہر گھڑی وہ غم سے نڈھال دیکھو — جو لوگ محنتی ہیں، وہ ہیں نہال دیکھو
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

محنت نے کار مشکل آسان کر دکھائے — چیرے پہاڑ لاکھوں دریا کئی بہائے
پربت کی چوٹیوں پر ہیں رہگذر بنائے — بیڑے سمندروں میں محنت نے ہیں چلائے
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

محنت سے اے عزیزو! غافل کبھی نہ ہونا — ہشیار و چست رہنا کاہل کبھی نہ ہونا
گر کام سخت بھی ہو بیدل کبھی نہ ہونا — دیکھو اپاہجوں میں شامل کبھی نہ ہونا
محنت کرو عزیزو! محنت سے کام ہوگا

ایامِ غم

(ترجمہ از انگریزی)

(مطبوعہ رسالہ شیو شمبھو لاہور بابت مارچ ۱۹۱۴ء)

سرد ہے دن تیرہ و تاریک ہے اور خوفناک — مینہ برستا ہے ہوائے تیز ہے گرمِ سفر
اب تلک گرتی ہوئی دیوار سے لپٹا ہے تاک — جھونکے جھونکے سے ہیں گرتے خشک پتے خاک پر
اور دن ہے تیرہ و تاریک و سرد و خوفناک

زندگی میری بھی ہے تاریک و سرد و خوفناک — بارشِ اشک رواں ہے ہمرہِ آہِ سحر
عہدِ ماضی سے مرے جذبات ہیں لپٹے ہوئے — اور جوانی کی امنگیں گر رہی ہیں خاک پر
آہ! یہ ایام ہیں تاریک و سرد و خوفناک

صبر ہاں صبر! اے دلِ مغموم بیجا شکوہ ہے — زندگی ہر شخص کی رکھتی ہے یاں بیمِ ہلاک
سب کے کچھ ایام ہیں تاریک و سرد و خوفناک

پہلے کام پیچھے آرام

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور بابت فروری ۱۹۱۰ء)

کامیابی کی تمنا ہے اگر، کام کرو
مرد کہلاؤ، زمانے میں بڑا نام کرو
وقتِ آغاز سے اندیشۂ انجام کرو
کام کا لطف ہے جب صبح سے تا شام کرو
پہلے تم کام کرو، بعد میں آرام کرو

کام کے وقت جو آرام کیا کرتے ہیں
آخر کار وہ ناکام رہا کرتے ہیں
سخت ناداں ہیں وہ لوگ برا کرتے ہیں
ہم تو داناؤں سے یہ قول سنا کرتے ہیں
پہلے تم کام کرو، بعد میں آرام کرو

لطف آرام میں ملتا ہے بہت کام کے بعد
کام کرنے میں مزا آتا ہے آرام کے بعد
دن کو جو سوئے تو کیا سوئیگا وہ شام کے بعد
دورِ راحت کا مزا تلخیٔ ایام کے بعد
پہلے تم کام کرو، بعد میں آرام کرو

جسکو آرام سے ہر وقت سروکار رہے
فکرِ آرام میں جو کام سے بیزار رہے
کیا تعجب ہے کہ وہ مفلس و نادار رہے
کاہل و خستہ و درماندہ و لاچار رہے
پہلے تم کام کرو، بعد میں آرام کرو

چھوڑتے کام ادھورا نہیں ہمت والے
کام پورا نہیں کرتے کبھی راحت والے
بازی لیجاتے ہیں جو لوگ ہیں محنت والے
ہار جاتے ہیں سدا سستی و غفلت والے
پہلے تم کام کرو، بعد میں آرام کرو

تندرستی ہزار نعمت ہے

(مطبوعہ راہنمائے تعلیم لاہور بابت فروری ۱۹۱۰ء)

کوئی کہتا ہے کہ دنیا میں ہے دولت اچھی
ہے کسی شخص کی دانست میں حکمت اچھی
کوئی کہتا ہے کہ اچھی ہے طبیعت اچھی
کوئی کہتا ہے کہ اچھی ہے تو صورت اچھی

میں یہ کہتا ہوں ہر اک شے سے ہے صحت اچھی

نہیں صحت کے برابر کوئی نعمت ہرگز
ہو نہ صحت تو میسر نہ ہو راحت ہرگز
مال دے دلکو خوشی اور نہ دولت ہرگز
دل میں باقی نہ رہے نسبت کی چاہت ہرگز

کچھ بھی اچھا نہیں جب تک نہیں صحت اچھی

قدرِ صحت کوئی بیمار کے دل سے پوچھے
حالِ پُر غم کوئی بیمار کا جا کر دیکھے
یوں وہ کہتے ہیں جو اس چیز کو ہیں کھو بیٹھے
زندگانی کا مزا گر ہے تو ہے صحت سے

اچھی ہر چیز ہے جب تک کہ ہے صحت اچھی

علم کا شوق ہے گر دل میں تمہارے لڑکو!
بات سن لو یہ مری غور سے پیارے لڑکو!
گر نہیں جیتے دواؤں کے سہارے لڑکو!
کام محنت سے سنور جائینگے سارے لڑکو!

علم حاصل نہ ہو جبتک نہ ہو صحت اچھی

گر یہ چاہو کہ بڑے ہو کے بنو با اقبال
اپنی صحت کا تمہیں چاہیئے ہر وقت خیال
پھر نہ پاس آئینگے اندوہ و غم و رنج و ملال
دل لگا کر جو کرو علم کو حاصل مہ و سال

جی نہ اکتائیگا جبتک کہ ہے صحت اچھی

...ست لڑکے نہیں ہوتے ہیں توانا ہرگز — اپنی صحت کو نہ سستی میں گنوانا ہرگز
...ست رہنے کا نہیں ہے یہ زمانہ ہرگز — جی نہ تم سختیٔ ورزش سے چرانا ہرگز
کیونکہ ورزش ہی سے رہ سکتی ہے صحت اچھی

نصائحِ منظوم

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

...و لوگ کہ ماں باپ کی خدمت نہیں کرتے — حاصل وہ کسی طور مسرت نہیں کرتے
...و اپنے بزرگوں کی اطاعت نہیں کرتے — حاصل کبھی دنیا میں سعادت نہیں کرتے
...لتی ہے محبت ہی محبت کے عوض میں — ناداں ہیں جو اوروں سے محبت نہیں کرتے
اچھوں سے الجھتے ہیں وہ اکثر جو بُرے ہیں — اچھے تو بُروں کی بھی شکایت نہیں کرتے
سمجھے ہوئے ہیں حاضر و ناظر جو خدا کو — ہرگز وہ بُرے کام کی جرأت نہیں کرتے
ہیں قابلِ نفرت، نہ کرو بات بھی ان سے — جو لوگ بُری بات سے نفرت نہیں کرتے
جو کرتے ہیں ہر کام میں اک شوق سے محنت — خوش رہتے ہیں اور شکوۂ قسمت نہیں کرتے
راحت کے طلبگار ہیں جو لوگ، سمجھ لو — حاصل وہ کسی طرح سے راحت نہیں کرتے
منہ ڈالتے ہیں اپنے گریباں میں جو اکثر — سختی سے وہ اوروں کو ملامت نہیں کرتے
ظلمت میں کہ پڑ جاتے ہیں جو رہتے ہیں جاہل — یاں علم سے جو کسبِ شرافت نہیں کرتے

دیکھا ہے کہ رہ جاتے ہیں وہ علم سے محروم
استاد کی اپنے جو اطاعت نہیں کرتے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

(مطبوعہ رہنمائے تعلیم لاہور)

جس بات پہ ہم منہ کھولیں گے سچ جھوٹ کو پہلے تولیں گے
سچے رستے پھر ہولیں گے کیوں جھوٹے موتی رولیں گے
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

جس بات سے ہو ناراض خدا ماں باپ الگ ہوں جس سے خفا
رنجیدہ ہو اُستاد جُدا اس بات سے ہم کو حاصل کیا
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

کرتا ہے جھوٹ پہ کون یقیں سب جھوٹ پہ کرتے ہیں نفریں
جھوٹے کی قدر نہیں ہے کہیں یہ سچ ہے سانچ کو آنچ نہیں
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

گو سچ پر جان بھی جاتی ہو گو موت کھڑی دھمکاتی ہو
پتھر کے نیچے چھاتی ہو اور سانس اُلٹ کر آتی ہو
ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ سچ ہے جھوٹ ہے جھوٹ سدا ذلت انجام ہے جھوٹے کا
اک بار جو ثابت ہو جھوٹا اس کی دنیا میں وقعت کیا

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچّے کی عزت ہوتی ہے   جھوٹے کی ذلّت ہوتی ہے
سچّے پر رحمت ہوتی ہے   جھوٹے پر لعنت ہوتی ہے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

سچ بات کا ہم کو سہارا ہے   سچ جان سے ہم کو پیارا ہے
دشمن یہ جھوٹ ہمارا ہے   دشمن کو ہم نے مارا ہے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

دی سچّی زبان خدا نے ہمیں   توبہ توبہ کیوں جھوٹ کہیں
جو جھوٹ کہیں وہ خوار پھریں   یارب ہم جھوٹ سے دور رہیں

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

محروم ہمیں سچ کہتا ہے   جو سچّا ہے خوش رہتا ہے
ہنس کھیل کے رہنا سہنا ہے   جو جھوٹا ہے غم سہتا ہے

ہم ہرگز جھوٹ نہ بولیں گے

انگریزی راج کی برکتیں

مہاشہ سیوک رام یاتری ایبٹ آباد کی
کتاب جیون سُدھار کے لئے لکھی گئی

جسے دیکھو وہی اب شادماں ہے
پھلا پھولا چمن ہندوستاں ہے
کہ عہدِ قیصری راحت رساں ہے
نظارائے بہارِ بےخزاں ہے
غنیمت دورۂ امن واماں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

رعیت شاد ہے آباد کشور
رہا کرتی ہے صبح و شام یکسر
زمینِ ہند ہے فردوس منظر
زبانوں پر دعائے بختِ قیصر
جو ہے وہ شکرِ حق میں تر زباں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

نہ ہوں مدّاح کیوں شاہِ زمیں کے
یہ ہیں الطاف عالم آفریں کے
دئیے ہیں فائدے دنیا و دیں کے
کہ ہیں سائے میں قومِ برتریں کے
میسر ہم کو اوجِ آسماں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

جہاں ہیں عدلِ انگریزی کی یہ دھوم ہیں دونو ایک حاکم اور محکوم
خیالِ سخت گیری نقشِ موہوم یہاں ظالم ہے کوئی اور نہ مظلوم

غرض بالا خطر سے مال و جاں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

ہر اک مذہب کو آزادی عطا ہے حکومت نے تعرّض کب کیا ہے
خدا سب کا ہے اک مسلک جدا ہے یہ مندر کو، وہ مسجد کو چلا ہے

یہی آوازِ ناقوس و اذاں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

ہوئے ہیں مدرسے ہر سمت جاری کھلی ہیں علم سے آنکھیں ہماری
جہالت اب پھرے گی ماری ماری کہ لڑکوں میں نہیں آوارہ کاری

ہر اک تیار رہبرِ امتحاں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

ہُوا ہے گرم بازارِ تجارت ہے امن انگیز پیکارِ تجارت
بنیں ریلیں، مددگارِ تجارت ہوئی حل مشکلِ کارِ تجارت

نہیں لٹتا کہیں اب کارواں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

بنے ہیں تار گھر، اور ڈاک خانے لگے ہیں ریلوے کے تانے بانے
لگا کر چند پیسے، چند آنے سنو گھر بیٹھے ملکوں کے فسانے

بخار و برق کا قاصد رواں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

شفا خانے ہیں ہر سو بر سر کار
نہیں ہے لا دوا اب کوئی آزار

ہوئی دکھ درد کی ساکھی یہ سرکار
مسیحا آسماں سے ہے مددگار

قریب المرگ مرگِ ناگہاں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

ہزاروں برکتیں اس عہد کی ہیں
ثنا پرداز قیصر جیتے جی ہیں

جو ہم لوگوں کو بن مانگے ملی ہیں
کہ ہم مفتونِ عہدِ قیصری ہیں

خدائے پاک ہم پر مہرباں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

اگر ہشیار کچھ اپنا وطن ہو
جو محوِ اکتساب علم و فن ہو

سوئے منزل ابھی سے گام زن ہو
تو یورپ کی طرح فخرِ زمن ہو

یہ موقع خوب اے ہندوستاں ہے
کہ شاہِ عدل پرور حکمراں ہے!

ترجمۂ اشعارِ گُلستاں

ذیل میں گلستانِ سعدی کے چند قطعات اور اشعار کا ترجمہ ہے خیال تھا کہ پہلے دو ابواب کے تمام اشعار کا ترجمۂ اردو میں ہو جائے لیکن اسکی تکمیل بوجوہ نہ ہو سکی ایک وجہ یہ ہوئی کہ ترجمہ میں بھی فارسی کا عنصر غالب رہا۔ جسکے سمجھنے کے لئے طالبعلم کو اتنی ہی فارسی لیاقت درکار ہے جتنی اصل اشعار کی تفہیم کے لئے۔ بہر حال امید ہے کہ یہ حصہ بھی بعض شائقین کی تفریحِ طبع کا باعث ہو گا :- (محروم)

(۱)

کیا نامدار زیرِ زمیں دفن ہو چکے
ہستی کا جن کی روئے زمیں پر نشاں نہیں
اُس پیر لاشہ کو جو کیا دفن خاک میں
یوں خاک کھا گئی کہ کوئی استخواں نہیں
زندہ ابھی ہے عدل سے نوشیرواں کا نام
مدت ہوئی اگرچہ کہ نوشیرواں نہیں
نیکی کر و جہاں میں غنیمت ہے زندگی
وہ دن نہیں ہے دور کہ جب تم یہاں نہیں

(۲)

سنا ہے کہ پیارے خدا کے جو تھے
نہ کرتے تھے وہ دشمنوں کو بھی تنگ
تجھے کیسے حاصل ہو یہ مرتبہ
کہ ہے دوستوں سے بھی پرخاش و جنگ

(۳)

ایک احمق اگر ہو محفل میں
ہوں گے دانا کئی خفا دل میں

حوض اگر اک گلاب سے ہو بھرا　　ایک کُتّا پلید کر دے گا

(۴)

ہیں تری خوبیاں ہتھیلی پر　　عیب پنہاں بغل میں ہیں لیکن
کھوٹے پیسے بنے آخر اے مغرورا　　کیا خبر پڑے گا مفلسی کے دن

(۵)

نہیں ہے مرد وہ دانا کے نزدیک　　لڑائی جو کرے پیلِ دماں سے
حقیقت میں وہی ہے مرد پورا　　ہو جب غصّے نہ بولے بد زباں سے

(۶)

اسی امید میں گزری دریغ عمرِ عزیز　　کہ دل میں جو ہے وہ پوری ہو آرزو میری
امید ہو گئی پوری ہوئی تو کیا حاصل　　نہیں امید کہ واپس یہ عمر ہو میری!

(۷)

اک دوسرے کے عضو ہیں انساں ہیں جتنے　　اک خانداں سبھی کا ہے اک اصل اک گھر
اک عضو کھا کے چوٹ اگر بیقرار ہو　　جو دوسرے ہیں پھر انہیں کیسے قرار ہو
اوروں کے درد و غم سے تو بے غم اگر رہے　　ممکن نہیں کہ کوئی تجھے آدمی کہے

(۸)

پیٹ کو رکھ طعام سے خالی　　کہ نظر آئے معرفت کا نور
تو ہے حکمت سے اس لئے خالی　　کہ ہے کھانے سے ناک تک معمور!

(۹)

اک شخص مدرسے کو گیا خانقاہ سے　　توڑا وفائے صحبتِ اہلِ طریق کو
پوچھا یہ میں نے عالم و عابد میں فرق کیا　　کیوں تو نے اختیار کیا اس فریق کو

بولا وہ اپنی جان بچاتا ہے موج سے | اور اس کی ہے یہ سعی کہ پکڑے غریق کو

(۱۰)

جو عالم کہے اسکو دل سے سنو | نہیں ہے وہ عامل بلا سے نہ ہو
سنو قول یہ کچھ بھی سچا نہیں | کہ سوتے کو سوتا جگاتا نہیں
سدا ہو نصیحت سے تم بہرہ ور | لکھی گو نصیحت ہو دیوار پر

(۱۱)

ہاتھی کو گو پچھاڑ دے اک مرد پہلوان | مردی نہیں ہے اس میں اگر مردمی نہیں
عاجز ہے خاک خاک سے آدم کی ہے سرشت | جس میں کہ عاجزی نہیں وہ آدمی نہیں

(۱۲)

رہا نہ حاتم طائی مگر قیامت تک | رہے گا نام بلند اس کا دہر میں مشہور
زکوٰۃ مال کی دے کیونکہ فضلۂ رز کو | جو کاٹتے ہیں تو دیتا ہے وہ بہت انگور

(۱۳)

زور آوری مردی کے دعوے کو چھوڑ دے | جو نفس کا غلام ہے عورت وہ مرد ہے
کیا مرد منہ کسی کا جو گلے سے توڑ دے | میٹھا کسی کا منہ جو کرے بس وہ فرد ہے

(۱۴)

چپ ہے جب تک آدمی پردے میں ہے | گفتگو سے کھلتے ہیں عیب و ہنر
بند مٹھی میں دھری ہے چیز کیا | کون بتلائے کسی کو کیا خبر

(۱۵)

اے پسر تجھ کو نانِ جویں ناپسند ہے | مجھکو عزیز ہے جو ہے تیری نظر میں زشت
اہلِ بہشت کے لئے اعراف ہے سقر | اہلِ سقر سے پوچھ کہ اعراف ہے بہشت

(۱۶)

کلوخ انداز سے جب کی لڑائی سمجھ لے تو ا شامت تیری آئی
جو دشمن پر چلایا تیر تو نے نشانہ اس کا ہے خود یہ سمجھ لے

(۱۷)

جس کو ملی ہے قوت بازو و مرتبہ شایاں نہیں کہ لوگوں کو لوٹے گزاف سے
سخت استخواں کو کوئی نگل بھی گیا تو کیا پھاڑیگی پیٹ اتریگی ہرگز نہ ناف سے

(۱۸)

خوش کیونکہ ہو بادشاہ اُس سے لوگوں پہ ستم کرے جو کوئی
گر چاہے خدا ہو تجھ سے راضی کر خلقِ خدا سے تُو نکوئی

(۱۹)

مسکیں گدھا اگرچہ بہت بدتمیز ہے لیکن وہ بوجھ اُٹھاتا ہے جبھی عزیز ہے
لیکن بیاں میں موجبِ آزار جو بشر ہیں وہ فضول ان سے تو بہتر ہیں گاؤ خر

(۲۰)

وہ شخص جو کہ ہر گھڑی تجھ پر کرم کرے کر دے معاف اسکو کبھی گر ستم کرے

(۲۱)

دوسروں کے عیب لے آتا ہے تیرے پاس جو عیب لیجائیگا تیرے دوسرے کے روبرو

(۲۲)

دشمن کی موت پر ہو کیوں مجھکو شادمانی جب خود ہی بے بقا ہے میری یہ زندگانی

(۲۳)

کافوری شمع دن کو جلائے جو بیوقوف ہوگا نہ شب کو تیل بھی اس کے چراغ میں

(۲۴)

عالم جو کامرانی و تن پروری کرے
گمراہ خود ہے کس کی بھلا رہبری کرے

(۲۵)

محتاج اُسی در کے ہیں سب مفلس و زردار
زردار زیادہ جو ہیں محتاج زیادہ

(۲۶)

وہ ہر سو دوڑتا ہے جسکو وہ در سے ہٹاتا ہے
کسی در پر نہیں جاتا جسے وہ خود بلاتا ہے

(۲۷)

اگر کرتا جو کچھ ہوں جانتا ہیں
تو ہوتا نیک خو اور پارسا ہیں

(۲۸)

لوگوں کی ملاقات کو جانا تو نہیں عیب
اتنا بھی نہ جاؤ کہ وہ کہدیں کہ نہ آؤ

(۲۹)

پیچھے جو تجھکو چھوڑ چلا وہ شخص ترا ہمرہ نہیں
مت اس سے لگا تو دل اپنا جس شخص کو تیری چاہ نہیں



سہرا

بتقریبِ سعید شادیٔ عزیز منوہر لال برادر کرمی لالہ ٹیک چند صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

(مطبوعہ رسالہ زمانہ کانپور۔ بابت فروری ۱۹۱۳ء)

زیب دیتا ہے نہایت ترے سر پر سہرا
ہے دعا تجھ کو مبارک ہو منور سہرا

آج وہ دن ہے گل و گوہر و اختر از خود
پاس نوشہ کے چلے آتے ہیں بنکر سہرا

دیوتا پھول نہ کیوں آج فلک سے برسائیں
خود بنا لائے نہ کیوں نذر کو اندر سہرا

کیوں نہ خورشید و قمر سرِ بامِ فلک سے جھانکیں
کب ہوا ایسا ستاروں کا میسّر سہرا

ہمسرِ چرخِ بریں آج زمیں ہے بیشک
کہ دکھاتا ہے فروغِ مہ و اختر سہرا

بحر میں لہر خوشی کی ہے گلستاں فرحاں
کہ بنا لائے ہیں لیکر گل و گوہر سہرا

گلشنِ دہر میں توقیر فدائے گل ہے
مایۂ نازِ چمن ہے یہ معطّر سہرا

باعثِ زندگئے زمزمۂ بلبل ہے
کہ ہے شادابِ کنِ روئے گلِ تر سہرا

ناز کر اپنی لطافت پہ نہ اے موجِ نسیم!
ہے کہیں تجھ سے بہ نازکتر و خوشتر سہرا

گرہِ خاطرِ ہر غنچہ و گل کو کھولا
مطربِ بادِ بہاری نے سنا کر سہرا

دیکھ کر سن ہوئے یوں لوگ کہ کچھ سنتے ہیں
نغمۂ حسن کا مصدر ہے سراسر سہرا

داد دیں گے تمہیں خود جوہریانِ معنی
خوب لکھ لائے ہو محرومِ سخنور سہرا

بسکہ نوشاہ جواں بخت ہے ہوگا مقبول
غالب و ذوق کے سہروں کے برابر سہرا[1]

[1] جس شہزادہ کی شادی پر غالب اور ذوق نے سہرے لکھے تھے اسکا نام مرزا جواں بخت تھا۔ اس شعر میں سہرے کی مقبولیت کا انحصار نوشہ کی جواں بختی پر رکھا گیا ہے۔ تعلّی مراد نہیں۔ (محروم)

قطعاتِ تاریخ طبعِ اول

نتیجۂ طبعِ ہمسرِ شرق منشی مہاراج بہادر صاحب برقؔ دہلوی

جلوۂ شاہدِ مضموں ہے کلامِ محروم
پئے تسخیرِ دل افسوں ہے کلامِ محروم

مستِ صہبائے سخن کو نئے ورد ہے یہ
غیرتِ بادۂ گلگوں ہے کلامِ محروم

ہر ورق اسکا ہے اک دفترِ جذباتِ لطیف
حدِ توصیف سے بیروں ہے کلامِ محروم

تیر و نشتر کا اثر رکھتے ہیں اشعار تمام
دشنۂ بہرِ دلِ محزوں ہے کلامِ محروم

ایک اک نظم ہے اشعارِ مسلسل کی لڑی
تورِ گیسوئے شبگوں ہے کلامِ محروم

از سرِ ہوش یہ مصرعہ ہے پئے تاریخ لکھو
برقؔ شہرۂ گلِ مضموں ہے کلامِ محروم

۱۹۶۷ + ۵ = ۱۹۷۲ سمت

نگاشتۂ کلکِ سراپا تحریر میر کرامت اللہ صاحب میر امرتسری

للہ الحمد کہ مطبوعِ طبائع گردید
منبعِ زبدۂ خیالات کلامِ محروم

شوخی و لطفِ بیاں گنجِ زباں دانا ہم
مخزنِ حسنِ مقالات کلامِ محروم

از لبِ حالیؔ مرحوم شنیدم امیر
جامعِ فضل و کمالات کلامِ محروم

۱۹۰۷ + ۸ = ۱۹۱۵ عیسوی

تنظیم مادۂ تاریخ مرسلہ جناب میر موصوف

از بندۂ محروم

مکرم میرے محترم میر صاحب
سخن گوئی میں جنکا رتبہ بڑا ہے
ہیں فرماتے مجھ پر بزرگانہ شفقت
یہی شیوۂ اہلِ صدق و صفا ہے
یہ مجموعۂ نظم بھیجا انہیں جو
نتیجہ مری فکرِ ناچیز کا ہے
ہوئی عرض آنیسے کہ تاریخ لکھئے
یہی آرزو ہے یہی مدعا ہے
ہے محروم ممنونِ احسان انکا
کہ گلدستۂ خوبرو لکھدیا ہے

۱۳۳۳ ہجری

میں تاریخ اپنی طرف سے بھی کہدوں
تو اسمیں برائی ہے کیا حرج کیا ہے
مگر مجھکو تاریخ گوئی ہیں دعوے
نہ ہے آجکل اور نہ پہلے ہوا ہے
یہ ابجد کا پھندا یہ گنتی کا دھندا
مجھے درد سر بلکہ اس سے برا ہے
کہوں اب میں تاریخ ایسی کہ جس پر
ہنسے کوئی اور کوئی کہدے بجا ہے
جو تاریخ سمجھیں تو تاریخ ہے یہ
دعا اس کو کہہ دیجئے تو دعا ہے

یہ مجموعہ یارب ہو مقبولِ عالم
جو انیس سو پندرہ میں چھپا ہے

میر غلام حسین صاحب نیرنگ بی اے پلیدر انبالہ

آپ نے از راہِ محبت کلامِ محروم کا ایک نسخہ اس نیازمند کو عطا فرمایا ہے۔ میں اسکو ایک بڑی نوازش سمجھتا ہوں۔ رسالہ مخزن کے ایامِ طفولیت اور عنفوانِ شباب کے زمانے انکا تمام شاہد مداح ہوں اور گو اجتناب ملاقات کی مسرت سے مشرف ہوا لیکن کلامِ محروم کے ذوق سے محروم نہیں۔ اس مجموعے میں اہل سخن [illegible] جو [illegible] میں مذاقِ سخن پھیلانے میں بہت بڑا کام کریگا۔ شاعرانہ تخیل کی رنگینی۔ اندازِ بیان کی شیرینی۔ مظاہرِ قدرت اور واقعات عالم میں انکا نگاہ تاریخ جو کی باریک بینی جگہ جگہ قابلِ داد و تحسین ہے۔ طرزِ بیان میں سادگی

اور رنگینی کو بڑی کامیابی سے جمع کیا گیا ہے۔ خاص خاص نظمیں مجھکو بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً خواب جہانگیر۔ نور جہاں کا مزار ہلال عید۔ ماہ تاباں۔ محبت کے کرشمے۔ ہوتی۔ بندرابن کی ایک صبح بانسری کی کوک۔ مشہور ہیں۔ آپکے الفاظ اور تخیل نے وہ کام کیا ہے جو روی ورما نے اپنے موقلم اور رنگوں سے کیا۔ میں آپکو اس مجموعے کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ والسلام۔

منشی سورج نراین صاحب مہر دہلوی

میں آپکی نظمیں رسالوں اور اخباروں میں پڑھتا رہا ہوں۔ یکجائی مجموعہ دیکھکر نہایت خوشی ہوئی۔ شکر ہے کہ اردو میں ایسے شعرا کا کلام بھی شائع ہونے لگا ہے جنکی شاعری پرانی طرز کی غزل گوئی سے محدود نہیں ہے۔ آپکی شستگی زبان۔ چستی بندش جدت و نوعیت مضامین داد کے قابل ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اس نفیس کتاب کی قدر اہل ملک ضرور کرینگے۔

لالہ رامداس صاحب منشی فاضل گورنمنٹ نارمل سکول سرگودہا

یوں تو کلام مرحوم جو وقتاً فوقتاً اردو زبان کے نامی گرامی اور مشہور ادبی رسالوں اور میگزینوں میں شائع ہوتا رہا۔ اپنے اپنے موقعہ پر خاص لطف و بہار دکھاتا رہا اور ناظرین کے دلوں کو اپنی سادگی اور صفائی کلام سے لبھاتا رہا۔ مگر اب یہ خاص حصہ بصورت دیوان طبع ہو جانے سے تو اس میں بیش از بیش لطافت و رنگینی پیدا ہو گئی ہے اور عبور کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کلام نے اردو ادب سے وہ داغ بدنامی دور کر دیا ہے۔ جو اس پر ایک عرصہ مدت سے شائستہ اقوام لگاتی ہیں۔ کہ یہ نا اہل زبان ہر قسم کے مضامین ادا کرنیکی قدرت نہیں رکھتی۔ اور سوائے تغزل کے امین دیگر مضامین کے ادا کرنے کی طاقت مفقود ہے۔ کلام مرحوم نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ زبان جسقدر تغزل پر قادر ہے۔ اسی قدر اخلاقی مضامین اور نیچرل سینز دکھانے پر توانا۔ یہ احسان مرحوم اور اس کے دیگر ہمعصروں اور ہم پیشوں کا اردو پر ایسا ہے

جو اس زبان کے قدردانوں کے دلوں سے کبھی محو ہونیوالا نہیں۔ کلام محروم میں شاعر نے جس مضمون کو لیا ہے۔ نہایت عمدگی سے نبھایا ہے۔ تمام مضامین زمانہ حال کے مذاق کے عین مطابق و مناسب ہیں۔ زبان شستہ و ٹکسالی ہے۔ طرز ادا نہایت موثر ہے۔ تمام کلام میں آورد کا کہیں دخل نہیں۔ کلام اس قابل ہے کہ اسکو سررشتہ تعلیم مدارس میں مروج کرے۔ اس سے طلبا کے دلونمیں قدرتی نظاروں کا مذاق پیدا ہوگا اخلاق حسنہ کی بنیاد دلوں میں استوار ہوگی۔ اور زبان کا اعلےٰ عمدہ اور موثر نمونہ انکے پیش ہوگا۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد خان صاحب از سونی پت

ادب اردو کی کمسنی اور اسپر مختلف اقسام کی ادبی اور علمی نوائی تحریکات اور ان تحریکات کی بلند پروازیاں اور نیرنگیاں اگر نقطۂ ادبی کے خیال سے ادب اردو کیواسطے کچھ دلاویزی اور دلچسپی رکھتی ہیں۔ تو ایسی نوائی تحریکات یہ بھی درخواست کرتی ہیں کہ انہیں عروس اردو کی رونمائی میں پیش کیا جاوے۔

ادب اردو میں نظم اور شاعری کا شروع ہی سے جو انہماک اور درجہ و دخل رہا ہے وہ موددین سے مخفی نہیں۔ مختلف مذاق اور مختلف مشرب کے شاعروں نے اپنے اپنے رنگ میں جو خدمت کی ہے۔ وہ عروس اردو کی خوش قسمتی کی دلیل اور مقبولیت عامہ کی برہان روشن ہے

اگرچہ اردو بہ مقابلہ اپنی دوسری معاصر زبانوں کے نسبتاً کم سن ہے۔ لیکن باوجود اس کم سنی کے بھی اس کی جودت۔ اس کی کشادہ دلی۔ اسکا غیر متعصبانہ تحمل اور اس کی قوت حاضمہ ایک خصوصیت رکھتی ہے۔

جسطرح زمانے نے رنگ بدلا ہے۔ اسی طرح اردو کی شاعری بھی رفتہ رفتہ رنگ بدل رہی ہے۔ اگر پہلے گل و بلبل کے قصے کہانیاں اور زلف و گیسو کی پیچیدگیاں گلستان اردو کی سرسبزی اور شادابی اور لعبت حسن زبان کی مایہ ناز تھیں۔ تو آج حقیقت سادگی۔ ریاض قدرت کے دلکش و دلربا مناظر۔ گل و شگوفے سامان زیب و زینت ہیں۔ کلام محروم حصہ اول میں حضرت محروم نے ان ہی دلاویزیوں دلچسپیوں کے شاعرانہ گلدستے مالک ادب اردو کے پیش کئے ہیں

حضرت محروم اپنی مسلمہ انشاپردازی اور فصیحانہ نازک خیالی کے خیال سے کسی مزید تعارف یا میرے دخل در معقولات کے محتاج نہیں ہیں۔

حضرت محروم نے جن پاکیزہ جذبات نتیجہ خیز خوش آئند تحریکات اور تمدنی و اخلاقی نکات سے عروس اردو کی رونمائی کی ہے۔ وہ اردو کیلئے ایک مرحلۂ ترقی اور فال مبارک ہے نظم زمزمۂ توحید۔ نور جہاں کا مزار۔ پیام شوق۔ عالم بسیتا کی فریاد۔ چڑیا کی زاری۔ انجام گل۔ انگریزی نظمیں جس متانت۔ جس خوبی۔ جس جامعیت سے لکھی اور ترجمہ کیگئی ہیں۔ اُنسے پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ حضرت محروم کہاں تک قادر الکلام اور جامع المحاسن ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین پہلے بھی ملک کے بعض موقر رسائل میں چھپ کر ملک و قوم سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ لیکن اب یہ لآلی منثورہ سلک نظم میں پرو کر یکجا منسلک ہو کر عروس اردو کی زیب و زینت اور خوشنمائی کی غرض سے شرف اشاعت پاتے ہیں حضرت محروم کا کلام اس قابل ہے۔ کہ ادبی دنیا میں اسکی خاص قدر کیجائے اور ایسی دلاویز اور نتیجہ خیز نظموں سے اس نقصان کو پورا کیا جاوے جو اردو ادبی دنیا کے واسطے ایک قابل غور کمی ہے۔ حضرت محروم کی جانب سے یہ پہلی قسط خزانہ اردو میں داخل کیجاتی ہے ہمیں قوی امید ہے۔ کہ حضرت موصوف دوسری اقساط واجبہ بھی جوان کے ذمہ سرکاری رہ ہمت پر باقی ہیں۔ داخل کر کے ملک اردو کی واجب الوصول بقایا بے باق کر کے ادبی سرخروئی کا داخلہ حاصل کرینگے۔ فرزندان ملک کا یہ فرض ہے۔ کہ اپنے ملک کی ہونہار اور وسیع المشرب ہستی کی خدمت اور غور و پرداخت اپنے علمی اندوختہ سے کرتے رہیں۔ نقادان سخن اور صاحب زبان کلام حضرت محروم کے موثر دلاویز خیالات کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ کہ رفتہ رفتہ اردو کی خدمت کرنیوالوں میں سے کیسے کیسے روشن خیال روشن طبع لوگ پیدا ہونے لگے ہیں۔ آخر ہم صدق دل سے حضرت محروم کی خدمت میں اس ادبی کامیابی پر مبارکباد عرض کرنیسے رہ نہیں سکتے

کلام محروم اس واسطے بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ کہ اسمیں کوئی ایسا حصہ کلام نہیں جو کسی فرد بشر کے مخصوص خیالات اور پرستیدہ جذبات پر حملہ کرتا ہو۔ ہندوستان میں اس قسم کی شاعری کی بلحاظ ضروریات ملکی زیادہ تر ضرورت ہے ؎

از زمین دل محروم نہالان امید ۔۔۔ پا اگر قند بہ بنیم چہ ثمر مے آرند

چودہری خوشی محمد صاحب ناظر بی اے گورنر جموں و کشمیر

افسوس ہے، کہ ناسازی طبع کیوجہ سے میں تقریظ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ مگر آپ کی نظموں کو جو شخص سرسری نظر سے بھی دیکھیگا اسکو اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ آپ کا بے عیب پاکیزہ کلام خاص داد کے قابل ہے۔ دُور از کار اغراق و غلو اور ان بیجا تخیل اور غیر مہذب مستی و رندی سے آپکا کلام کلیتاً پاک ہے اور زبان ایسی پاکیزہ و سلیس ہے کہ وہ ایک مرتبہ شعر پڑھنے سے یاد ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں نئی پود کیواسطے آپ کی نظموں کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی

میں حیران ہوں، کہ کن الفاظ میں آپ کی جودت طبع اور حسن تخیل کی داد دوں اور کلام محروم کو گنجینۂ معانی کہوں یا بایۂ ناز سخندانی۔ نظمیں کیا ہیں۔ جدت طرازی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا مرقع ہیں۔ جسجگہ سے پڑھتا ہوں۔ نیا لطف ملتا ہے۔ کس نظم کو کس پر ترجیح دوں۔ اور کسے لاجواب کہوں

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اگرچہ آپ دہلی اور لکھنؤ سے دور پنجاب کی سرحد میں رہتے ہیں۔ مگر زبان کتنی پاکیزہ اور شستہ ہے۔ اسپر طرہ یہ کہ محاورات خاص بڑی خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے نظم کئے ہیں۔ بیساختہ پن اور چستی بندش آپکے کلام بلاغت نظام کا خاص وصف ہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس شستہ بیانی کی داد نہیں دی جاسکتی۔ فن سخن میں آپ کی دسترس قابل رشک ہے۔ ایشور کرے۔ کلام محروم کو امید سے بڑھکر حسن قبول نصیب ہو۔

لالہ سری رام صاحب ایم اے صاحب خمخانۂ جاوید

انکی قابل قدر نظمیں عرصہ سے رسالوں میں دیکھکر مسرت اندوز ہوا کرتا تھا۔ شکر ہے۔ کہ اب آپنے کل کلام کو ترتیب دیکر یکجا کر دیا۔ مجھے دوران سفر میں تنی فرصت کہاں۔ کہ آپکے ارشاد

کی تعمیل کرسکوں۔ ورنہ ضرور چند سطریں لکھ بھیجتا۔ جستہ جستہ جو کچھ دیکھا۔ اس سے اتنا کہہ سکتا ہوں۔ کہ آپ کی مشاقی قابل داد ہے اور ڈیرہ اسمعیلخاں جیسے دور افتادہ مقام پر جو مرکز زبان اردو یعنی دہلی و لکھنو سے اسقدر دور دراز فاصلہ پر ہے۔ آپکا ایسی دسترس روزمرہ زبان پر حاصل کرلینا باعث استعجاب و حیرت ضرور ہے۔

خانبہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر۔ پنشنر جج

آپ کی نظمیں بہت خوب ہیں۔ معرفت اور مناجات اور دیگر مضامین کو خوش اسلوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ اخلاقی نظموں کا مجموعہ نہایت مفید ہے۔ ترجمہ اشعار گلستاں نہایت عمدہ ہے۔ نصائح منظوم لاجواب ہے۔ موت کے متعلق جو مضمون ہے۔ بہت موثر ہے۔ اور خاص طور پر قابل داد ہے۔ بہت سے مضامین ایسے ہیں۔ جو لڑکوں کو یاد کرانے چاہئیں۔ آپ بہت مستحق داد ہیں۔ ہر ایک کا کام نہیں۔ کہ ایسی پر مغز نظموں کا مجموعہ مرتب کرے۔ میں شکر گذار ہوں۔ کہ آپنے ایک کاپی کلام محروم کی مجھکو عنایت فرمائی۔ خدا آپکے قلم فیض رقم کو ہمیشہ رواں رکھے

صوفی نامی گرامی خواجہ حسن نظامی از اشاعت گاہ تصوف دہلی

میں نے جناب پنشی تلوک چند صاحب محروم کا کلام دیکھا جو مجموعہ کی شکل میں چھپ کر آیا ہے نظم کا سلیقہ مجھکو نہ شعر کہنے کا ہے اور نہ سمجھنے کا۔ عام لوگوں کیطرح میرے دل پر بھی اچھے اشعار خواہ مخواہ چبھ جایا کرتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ اس مجموعے کے بعض حصوں نے میرے دل کیساتھ یہی سلوک کیا

خدا احسان کرے مصنف کو جس نے اپنا نام محروم رکھا۔ میرا خیال ہے کہ انکا کلام لطافت شاعری سے محروم نہیں ہے۔ بلکہ طبیعت میں گداز پیدا کرکے اُس کو بے حسی سے محروم کرتا ہے۔

مولوی محمد فیروز الدین خان صاحب بی اے حیدر آباد دکن

آپ کا تحفہ جوانی کی امنگوں۔ جذبات انسانی کا مرقعہ ہے۔ جنکو مناظر فطرت

کی رنگ آمیزی سے دلاویز بنایا گیا ہے۔ امید ہے۔ کہ اس کی خوبیوں
کی وجہ سے قبولیت عوام و خواص کا اسے شرف حاصل ہوگا۔

منشی رام رچھپال سنگھ صاحب شیدا دہلوی

(ریویو مندرجہ اخبار ہندوستان)

ماسٹر تلوک چند محروم سے ناظرین کو انٹرڈیوس کرانے کی ضرورت نہیں ہے
وہ ہندو شعرا میں سرگباشی سرور کے بعد اچھا نام پیدا کر چکے ہیں۔ ان کے
کلام میں شاعرانہ خوبیوں کے علاوہ ایک قسم کی جدت اور قومی درد بھرا
ہوا ہے۔ "ہندوستان" میں بھی بارہا ان کی نظمیں درج ہوتی رہی ہیں مسٹر
محروم کی شاعری غزل گو شعرا کی قافیہ پیمائی اور ہجر و وصال خد و خال
زلف و رخ کے تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک تاریخی
واقعہ اور قومی جذبہ اور قدرتی منظر کی نظم میں تصویر کھینچنے پر قادر ہیں
ان کی بہت سی نظمیں جو مستند اخبارات اور رسالوں میں شائع ہو چکی
ہیں۔ اب ایک کتابی صورت میں کلام محروم حصہ اول کے نام
سے چھاپی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ سب
نظمیں قابل تعریف ہیں۔ ملک کو اس کی خریداری سے ایک ہونہار
قومی شاعر کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔

نوٹ مندرجہ مخزن لاہور نومبر ۱۹۱۵ء

منشی تلوک چند صاحب محروم عمدہ شاعر ہیں۔ انہوں نے اخلاقی۔ ادبی
اور نیچرل نظموں کا مینہ ملک میں برسا دیا ہے۔ ان نظموں کا مجموعہ
۱۸۰ صفحہ کا شائع ہوا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ ملک کو
چاہیئے۔ کہ اس کی خریداری کیطرف مصروف ہو۔

OPINIONS.

Dr. Shaikh Mohammad Iqbal, M. A., Ph. D. Bar.-at-Law, Lahore.

Mr. Tilok Chand Mahrum has produced an excellent little volume of Urdu poems. His translations from English as well as original poems are equally good. I have no hesitation in commending this little collection of Mr. Mahrum's poems to the general public and to the Text Book Committee. I suppose the Committee can make selections from this volume for the purposes of School Text Books.

(Sd.) MOHAMMAD IQBAL,
ADVOCATE,
Lahore.

23rd September, 1915.

S. Mohammad Muhsin Mirza, M. A., B.T., Head Master, Governmen High School, Rohtak.

Kalam-i-Mahrum, Part I, is a collection of exceedingly interesting and instructive poems by Munshi Tilok Chand Mahrum, who is well known for his poetic genius He has done an immense service to Urdu literature by making a very useful addition to it. I shall await the publication of the other two parts of Kalam-i-Mahrum.

(Sd.) S. MUHSIN MIRZA,
HEAD MASTER.

Dr. Gocal Chand, Narang, M. A., Ph. D., Barrister-at-Law, Lahore.

29th September, 1915.

I have read some of Mr. Mahrum's poems recently brought out in book form. Some of the poems are of a high order. Urdu poetry has long been in need of refom and Mr. Mahrum is one of the very few poets who have tried with success to raise the tone of Urdu poetry. His example deserves to be followed by writers of Urdu verse who may possess genius but are ignorant of the dignity and true functions of poetry.

(Sd.) GOCAL CHAND, NARANG,
BAR.-AT-LAW.

M. Ghulam Mohammad Khan, M. A.,
Head Master,
Government O'Brien High School, Mianwali.

I read part 1st of Kalam-i-Mahrum and was much pleased to find a great deal of poetic fire in many of the pieces.........specially the opening poem and poem on page 6 entitled " Whose fault is it ? " or " Khata kis ki hai." The poems on the " Sleep of Jahangir " and the "Masoleum of Nur Jahan" are entirely very original and convey a great deal of feeling and pathos for the dead monarchs of India. Mahrum seems to have inherited a great deal of poetic tendencies from his early childhood and I saw him lisping in numbers while a student of the High School at Bannu. I do remember a couplet or two of his excellent poem which he composed on one occasion. I do not find it in this collection but it runs thus.

محروم بے کمال ترا وصف کیا لکھے - کھاتی ہے ٹھوکریں تو یہاں فکر انوری

This couplet is not of an ordinary merit, but shows that the poet will one day make a name in the domain of poetry. The present book brought forth by him seems to be an earnest of the great talent which he possesses and with which he may one day entertain and delight his countrymen.

(Sd.) GHULAM MOHAMMAD KHAN,
Head Master.

Professor Ghulam Mohammad Toor, M. A., Murray College, Sialkot.

I have read with interest the first part of Munshi Tilok Chand Mahrum's poems. It is a nice collection of moral and natural poems, and certainly no mean contribution to Urdu poetry. Mr. Mahrum seems to be a born poet, and as far as I can judge from what he has placed before the public, he has uttered nothing base.

No doubt, he has fully imbibed the spirit of Romanticism introduced in Urdu poetry by Hali, of Panipat, and Bian-i-Yazdani, of Meerut, and furthered by Iqbal, Neirang, Nazir, and others. His poetry is characterised by richness of imagination, depth of pathos and an easy flow of language. Not to speak of other poems, I appreciate very much خدا کی امانت and چڑیا کی زاری which deserve a place among the best Urdu poems of the age.

But I do not approve of the size, which is decidedly intolerable. Nor do I like the title of the collection, and I think the author will do well, if he entitles it "Khazina-i-Mahrum" instead of "Kalam-i-Mahrum, the former being more appropriate on obvious literary grounds.

(Sd.) GHULAM MOHAMMAD, TOOR,
PROFESSOR OF HISTORY.

Sardar Gurmukh Singh, Mongia, B. A., (Cantab), Bar.-at-Law.

It is with keen interest and genuine pleasure that I have read through Part I. of your collected poems And now like Oliver Twist I find myself anxious fo more. I hope you will soon bring out Parts II. and III. of the book.

The nobility of theme, the simplicity of treatment the chastity of language, and the dignity and lucidity of expression of not a few of the poems in the part now before me should secure for them a worthy place in the text book used in our schools. "The Sparrow's Lamentation" on page 63, and "The Captive Nightingale's Song" on page 67 may be mentioned as instances in point. The perusal of these poems has made me confident that you will soon build up for yourself a reputation of which every Sarhadi like myself, would be truly and legitimately proud.

(Sd.) GURMUKH SINGH, MONGIA,
BAR-AT-LAW

Professor Diwan Chand, M.A., A. V. College, Lahore.

Whenever I find myself particularly dull, I turn to some poet for life If I find Iqbal or Mahrum at hand, I generally get a good dose. The Kalam-i-Mahrum that has just been published is a charming collection and should find a large number of appreciative readers.

(Sd.) DIWAN CHAND.

اشکِ حسرت

یہ کتاب مطبع سے نکلنے کو تھی کہ مجھے ایک دردناک مصیبت کا سامنا کرنا پڑا یعنے ۲۴ نومبر ۱۹۱۵ء کو علے الصباح ۳ بجے کے قریب میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ایک سال کی بچی، وِدیا وتی مرحومہ کی یادگار میرے پاس ہے۔اور داغِ حسرت اِس کے علاوہ یہ تین نظمیں اسی رُوح فرسا واقعہ کی یاد کو تازہ کرنے والی ہیں۔محروم

یہ آج ہونے لگی ہے کدھر کی تیاری ہے بے طرح مترشح نظر سے بیزاری
کہاں ہے آج تمہاری وہ طرزِ غمخواری کہ بے اثر مرے نالے ہیں، بے اثر زاری

یہ ہاتھ جوڑ کے مجھ سے معافیاں کیسی
چھڑی ہے آج یہ رخصت کی داستاں کیسی؟

ذرا تو دھیان کرو میرے سوزِ غم کی طرف چلے ہو تاروں کی چھاؤنیں کیوں عدم کی طرف
نظر اٹھاؤ ذرا میری چشمِ نم کی طرف بڑھاؤ ہاتھ نہ اے جاں مرے قدم کی طرف

مجھے تو روکتے ہو بار بار رونے سے
رُکو گے کیا نہ مرے زار زار رونے سے؟

نہ کرکے جاؤ مجھے آہ! خانماں برباد نہ دیکھے جاؤ مجھے وقفِ شغل نالہ و فریاد
رکھا ہے میں نے تمہیں اور تم نے مجھکو شاد نہ جھیلی جائیگی ہجرِ دوام کی اُفتاد

کیا تھا عہد وفا مجھ سے عمر بھر کے لئے
ابھی سے ہو گئے تیار کیوں ادھر کے لئے؟

گزرنے پائے ہیں مشکل سے پانچ سال ابھی   شباب پر ہے تمہارا تو بال بال ابھی
عروج پر ہے عروسانہ چال ڈھال ابھی   نہ لاؤ موت کا دل میں ذرا خیال ابھی

تمہارے مرنے کے اے جاں! یہ دن نہیں ہرگز
جہاں سے اٹھنے کو یہ سال و سن نہیں ہرگز!

دوا و دش مری بیکار جائیگی؟ افسوس!   دعا مری نہ کسی کام آئیگی؟ افسوس!
اجل جہاں سے تمہیں آج اٹھائیگی! افسوس!   زمانہ بھر کے ستم مجھ پہ ڈھائیگی؟ افسوس!

فلک کو رحم نہ وِدّیا وتی پہ آئیگا؟
غریب و بیکس و معصوم کو رلائیگا؟

لو! اٹھ کے بیٹھو کہ وِدّیا سرہانے آئی ہے   تمہارے منہ سے وہ دامن ہٹانے آئی ہے
ادائے طفلی کوئی تو دکھانے آئی ہے   کہ ہنستی آئی ہے تم کو ہنسانے آئی ہے

وہ چل کے آئی ہے گھٹنوں پہ تھک گئی ہوگی
تمہارے پیار سے پھر اسکو تازگی ہوگی!

اٹھا بھی لو کہ بہت بیقرار ہے وِدّیا   نگاہِ مہر کی امید وار ہے وِدّیا
رہین سختیٔ صد انتظار ہے وِدّیا   نہ چھوڑ جاؤ اسے شیر خوار ہے وِدّیا

پکارتی ہے تمہیں آج کس قرینے سے
ابل کے شیر ٹپکتا نہیں ہے سینے سے؟

تمہاری مادرِ ناشاد ہے سر بالیں   خراب حال، ستم دیدہ خستہ و غمگیں
سنائی دیتے نہیں اسکے نالہائے حزیں؟   یہ خواب ناز ہے کیا، چونک کر اٹھو بھی نہیں

ذرا تو یاد کرو دل فگاریاں اس کی
بھلاؤ دل سے نہ تیمار داریاں اس کی

وہ میری مادرِ مجبور و بیکس و بیتاب — تڑپ رہی ہے پڑی مثلِ ماہیٔ بے آب
تمہیں پکار رہی ہے اُسے بھی کچھ تو جواب — کرو نہ اُس کو زیادہ قتیلِ تیغِ عذاب
اُسے ہے آج ضرورت تمہاری خدمت کی
نہ پھیرو آنکھیں، نہیں رسم یہ صداقت کی!

کسی سے کرتے نہیں کوئی بات وا اسفا! — نہ تھے تم ایسے تغافل صفات وا اسفا!
دھرے ہی رہ گئے مضموں یہ ہات وا اسفا! — کٹے گی کس سے یہ ماتم کی رات وا اسفا!
چلے ہو چھوڑ کے روتا ہوا غریبوں کو
ہمیشہ روتے رہیں گے بُرے نصیبوں کو!

خیال میرے دلِ دردمند کا کرتے — شریکِ شادی و غم تھے تو پھر وفا کرتے
نہ دیتے داغِ جدائی تو کیا بُرا کرتے — فلک سے آج نہ ہم شکوۂ جفا کرتے
چلے ہو گھر کو، مگر ہاں وہ کون سا گھر ہے
عزیز اس سے کوئی اور بھی سوا گھر ہے؟

جو چھت سے بھی تجھے کبھی کوئی آن گرا — اُٹھا اُٹھا کے اُسے تم نے آشیاں پہ رکھا
دیا ہے تو نے مقدر نے آج یہ بدلا — تمہاری گود سے گرتی ہے خاک پر دنیا!
کریں گے اس پہ دل و جاں نثار ہم لیکن
تمام عمر رہے گی اُداس وہ تجھ بن!

ہے یاد مجھ کو وہ برسوں کی زیرِ لب فریاد — تمہاری آہ! جگر سوز پُر تعب فریاد
دل و جگر پہ مرے ڈھا گئی غضب فریاد — کسی کی سنتے نہ تھے تم تو بے سبب فریاد
مریض کا شکوہ نہ تقدیر کی شکایت تھی
فغاں میں اے! نکلتی وہ دل کی حسرت تھی!

چلی ہو یوں چھوڑ کے بے پر کو آشیانے میں — کسی کا کون ہے ہمدرد اس زمانے میں

قضا کو خاک ملیگا مرے مٹانے میں　　نہیں ہے عذر مجھے تو جہاں سے جانے میں

نہیں ملال کہ میرا مآل کیا ہو گا
یہ فکر ہے مری دویا کا حال کیا ہوگا!

جو میری گود سے دم بھر جُدا نہ ہوتی تھی　　جو میری آنکھ سے اوجھل ذرا نہ ہوتی تھی
میں اپنی بچی پہ کس دن فدا نہ ہوتی تھی　　جو رات آنکھوں میں کٹتی، خفا نہ ہوتی تھی

ہے کون جو مری نازوں پلی کو پالے گا
کوئی تو خاک سے گوہر مرا اٹھالے گا!"

دردناک منظر

جاگو! اِسے اُٹھالو، سو کر اُٹھی ہے وِدیا — کیوں برخلافِ عادت رو کر اُٹھی ہے وِدیا
بیتاب اِسطرح کیوں ہو کر اُٹھی ہے وِدیا — صبر و قرار شاید کھو کر اُٹھی ہے وِدیا
اِس کو بھی غائبانہ معلوم ہو گیا ہے
خوابِ عدم میں جیسے تم ہو یا بخت سو گیا ہے!

نظروں سے آہ! کیا کیا حسرت ٹپک رہی ہے — رہ رہ کے مُنہ ہمارا حیرت سے دیکھتی ہے
چہرے سے ہے نمایاں دل کی جو بیکلی ہے — تیری تلاش اِس کو اے جبرِ مادری ہے
وہ گود سے ہماری آخر مچل کے نکلی
جاتی ہے کس طرف کو؟ گھٹنوں پہ چلکے نکلی

گھٹنوں پہ چل کے نکلی، بستر کے پاس پہنچی — ننھے سے آہ! دل میں کچھ لیکے آس پہنچی
کیا مطمئن، سنبھالے ہوش و حواس پہنچی — لیکن کچھ اس سے پہلے اے وا! یاس پہنچی
کس کو پکارتی ہے مُنہ سے کفن اُٹھا کر
منزل پہ ٹھنڈے ٹھنڈے پہنچے وہ لدلدا کر!

جی بھر کے دیکھ لے تو مُنہ اپنی پیاری ماں کا — موقع نہیں ہے وِدیا یہ ہُوں کا اور ہاں کا
مطلب نہیں سمجھتی کیا تو مری فغاں کا — ٹوٹا ہے ہاتھ تجھ پر بیدادِ آسماں کا!
اب مانگتی ہے وِدیا! غمخواریوں کی داد کس سے؟
کرتی ہے بھولے بھالے دلکو تو شاد کس سے؟

اِن سرد چھاتیوں میں کیا شیر ڈھونڈھتی ہے — پتھر میں موم کی تو تاثیر ڈھونڈھتی ہے

اب شمعِ کشتہ میں کیا تو یہ ڈھونڈھتی ہے — کیسے شکار ہائے! تقدیر ڈھونڈھتی ہے

مُردے سے اپنی ماں کے یہ پیار کر رہی ہے

مجھ سخت جاں پہ یارب! یہ کیا گزر رہی ہے!

ساری مصیبتوں سے ودیا! کڑی مصیبت — اُف! ہنستی کھیلتی پہ یہ آ پڑی مصیبت

تقدیر نے دکھائی تجھ کو بڑی مصیبت — پھیرے اجل نے کیا سر تجھ پہ ٹوٹی مصیبت

ہیں جان و دل مرے تو تجھ پر نثار ودیا!

کچھ اور چیز لیکن ہے ماں کا پیار ودیا!

کسی کے پھول

گنگا کو جا رہے ہیں ترے استخواں کے پھول
تازہ رہیں گے مثلِ گلِ نوبہار پھول

جل بجھ کے رہ گیا تنِ رشکِ چمن ترا
لایا ہوں راکھ سے تری چُن کر دو چار پھول

بوٹا سا قد وہ آہ! بہشتِ بریں میں ہے
جھڑ کر جہاں میں رہ گئے بے شاخسار پھول

کانٹوں سے بھی ہیں کم ترے پھولوں کے سامنے
باغِ جہاں کے اے صنمِ گلعذار! پھول

بوئے وفا و رنگِ محبت سے تازہ ہیں
ہیں بے نیازِ گردشِ لیل و نہار پھول

مجبور آج با دلِ ناخواستہ دریغ!
گنگا کو سونپتا ہے کوئی دلفگار پھول

واپس وطن کو جاؤنگا داغِ جگر لئے
اب تک تھے میرے پاس تری یادگار پھول

تسکیں فزائے خاطرِ ہجراں نصیب تھے
دورِ خزانِ غم میں رہے غمگسار پھول

دھیمی تھی جن سے کچھ مرے سوزِ نہاں کی آگ
جاتے ہیں ہاتھ سے وہ دلِ داغدار پھول

تابِ سخن کہاں تھی مجھے فرطِ غم سے آج
ہوتے نہ گر سکوت شکن تازہ کار پھول

رہ رہ کے مجھ کو پھول ترے یاد آئیں گے
گلشن میں جب کھلائیگی بادِ بہار پھول

چھلتے رہیں گے آہ! مرے داغہائے دل
کھلتے رہیں گے لیکن یہاں بار بار پھول

دامانِ موجِ گنگ نہ ہوتا تو اتنا تنگ
ہیں تازگی میں منتخبِ روزگار پھول

آغوشِ مہر کھول دے ان کے لئے ذرا
گنگا! ترے کرم کے ہیں امیدوار پھول

تجھ میں سمائیں گے روشِ نکہتِ چمن
زنہار تیرے دوش پہ ہونگے نہ بار پھول

یہ پھول وہ ہیں جن میں ہے بوئے وفا بھی

"تازہ مشامِ جاں ہے انہی سے مرا ابھی!

اعلان

کلامِ محروم حصّۂ دوم

یعنی

منشی تلوک چند محروم کی قومی۔ ملکی اور تاریخی نظموں کا

مجموعہ

اور

کلامِ محروم حصّۂ سوم

یعنی

عاشقانہ نظموں اور غزلوں کا مجموعہ

زیرِ ترتیب ہیں۔ جلد ہدیۂ شائقین ہونگے

اِطّلاع

یہ کتاب لالہ منی رام صاحب کالڑہ
ٹیچر وکٹوریہ بھراتری ہائی سکول
ڈیرہ اسمٰعیلخاں سے مل سکتی ہے*

مصنّف

تلوک چند محروم

پبلشر لالہ منی رام